اکثریت کے خواہ کتنی ہی خلاف ہو، لیکن ان کے متعلق کبھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا، کہ وہ اپنی راے کے مطابق مسلمانون کے مفاد کو نظر انداز کرسکتے ہین، دوسرے مولانا کے متعلق مصنف کے ذاتی جذبات و تاثرات اس پہلو سے کتاب کا صفحہ صفحہ مولانا کے ساتھ مصنف کے جذبات عقیدت سے لبریز ہے" مولانا کے اوصاف و کمالات سے ان کے مخالفین کو بھی انکار نہین ہوسکتا، لیکن غلو و مبالغہ ہر چیز کو بدنما بنا دیتا ہے، جس کی متعدد مثالین اس کتاب مین موجود ہین، مثلاً "مشرق و مغرب کے بڑے بڑے دعویداران علم و فضل آتے ہین، اور اس سے (مولانا) بات کرکے جب لوٹتے ہین، تو بے اختیار پکار اٹھتے ہین، کہ ہم نے مشرق و مغرب مین اس سے بڑا فاضل کوئی نہین دیکھا" ایک جگہ لکھتے ہین "غور کیجئے دنیا کی تاریخ مین آپ نے کوئی ایسی شخصیت دیکھی ہے اس کا جواب یقیناً نفی مین ہو گا" اس قسم کا مبالغہ خود مصنف کی متانت تحریر کے خلاف ہے۔

روح صہبائی از جناب اثر صہبائی تقطیع اوسط ضخامت ۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ تاج محل بیلنٹر جمون کشمیر،

جناب اثر صہبائی اور ان کی شاعری کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، ان کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہوچکے ہین، روح صہبائی نیا اسم بامسمی مجموعہ ہے، اس مین انھون نے مختلف عنوانون کے ماتحت علحدہ علحدہ ہر دور کا اپنا منتخب اور پسندیدہ کلام تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے، اس سے ان کی شاعری کا تدریجی ارتقا، اور اس مین وقتاً فوقتاً جو تغیرات ہوئے، سامنے آجاتے ہین، مصنف کی مشق سخن پر اتنی مدت گذر چکی ہے، کہ ان کو بلا تکلف کہنہ مشق کہا جاسکتا ہے، ان کو ہر صنف پر پوری قدرت اور ان کے کلام مین بڑی نیرنگی ہے، چنانچہ اس مجموعہ مین بلند اور پاکیزہ غزلین بھی ہین، حکیمانہ اور فلسفیانہ رباعیان بھی اور موثر و دلکش نظمین بھی، جناب اثر کی صہباے شاعری ابتدا ہی سے پرکیف تھی، اب یہ شراب دو آتشہ ہو کر اور زیادہ تیز ہو گئی ہے، اور یہ مجموعہ تو اُن کے کلام کا خلاصہ اور عطر ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق اس سے لطف اندوز ہون گے،

"م"

جلد ۵۸ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۶ء عدد ۳

مضامین

شذرات

آج کل خاکسار بھوپال مین ہے اور عجب نہین کہ یہ اقامت کچھ دراز ہو، واقعہ یہ ہے کہ وسط ہند کے ظلمت کدہ مین یہی ایک اسلامی مرکز ہے، یہان علم کی مشعل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے خاندان سے مولانا عبد الحی صاحب بڈھانوی کے صاحبزادہ مولانا عبد القیوم صاحب بڈھانوی لائے، اور معرفت کا نور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے خانوادہ کے چشم وچراغ حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی جو حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی کے خلیفہ تھے، لائے اور بحمد اللہ کہ یہ چراغ اب بھی روشن ہے، پھر منشی جمال الدین خان مدار المہام اور نواب صدیق حسن خان کے زمانہ مین عرب وہند کے بہت سے علماء وفضلاء کا یہان مجمع تھا جن کی یاد بھی اب فراموش ہو چکی ہے،

زمانہ کا جو انقلاب عہد انگریزی سے شروع ہوا، اس کے اثرات آخر کار اسلامی ریاستون مین بھی پہنچے، اور انگریزی تعلیم کے سامنے علوم عربی ومشرقی کا زوال دیکھتے دیکھتے آنکھون کے سامنے ہو گیا، بھوپال جو کبھی علماء اور طلبہ کی منزل مقصود تھا، نئی تعلیم کے فروغ نے اس کو بالکل ماند کر دیا، یہان تک کہ یہان کے عربی ومذہبی مدرسے تنزل کی انتہا کو پہنچ گئے، اور درسگاہین جو کبھی علماء اور طلبہ سے معمور تھین، ویران ہو گئین، اور وہ شہر جو کبھی اپنے علمی کارنامون کے سبب سے شہرۂ آفاق تھا، اپنے مرتبہ سے گر گیا،

اعلیٰ حضرت فرمانروائے بھوپال کو سات آٹھ سال سے بھوپال کے اس انحطاط اور تنزل کا احساس تھا، چنانچہ چھ سات برس ہوئے کہ انھون نے چند علماء اور اہل تعلیم کی ایک مجلس مقرر کی تھی جس کی صدارت پر اس ہیچمدان کو نامزد فرمایا تھا، اس مجلس نے ان مدارس کے لئے نیا نصاب بنایا، اور ان کی اصلاح وتنظیم کے لئے کچھ ضوابط بنائے، دوسرے سال پھر یہ مجلس طلب ہوئی جس مین مقامی اور بیرونی اصحاب علم اس حقیر کی صدارت مین

پھر جمع ہوئے اور ان مدارس کے لئے فنون کی تعیین کی اور ہر فن کے مدرسین کی تعداد مقرر کی اور ان کی تنخواہ ومصارف کا پورا موازنہ (بجٹ) تیار کیا، یہ موازنہ امسال ریاست کے مالی اور انتظامی اداروں کی بحث وتمحیص اور فرمانروائے بھوپال کی پیشی سے منظور ہوا، اور اس کے لئے چالیس ہزار کی رقم بجٹ مین رکھی گئی،

ایک سال سے زیادہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا، اور مجھ سے یہ خواہش کی کہ ان مدارس کا جو خاکہ میری صدارت مین بنا ہے، مین ہی اس کو عملی صورت مین بھی لاؤن، اور اظہار فرمایا کہ "مین چاہتا ہون کہ بھوپال جس طرح پہلے ان علوم کا مرکز تھا، پھر ہو جائے" مجھ پر اعلیٰ حضرت کے اس فقرے کا بڑا اثر ہوا، اور مین نے ان کے اس بلند جذبہ کی بڑی قدر کی، اور اسی احساس سے متاثر ہو کر مین نے عرض کیا کہ گو میری صحت اچھی نہین ہے، اور دار العلوم ندوہ اور دار المصنفین کی ذمہ داریون سے گرانبار ہون، تاہم ارشاد والا کے مطابق مین سال ڈیڑھ سال یہان رہ کر ان مدارس کی خدمت کرون گا،

چنانچہ اسی کے مطابق اس سال اپریل ۱۹۴۹ء کے وسط مین مجھے بھوپال آنے کی دعوت دی گئی، لیکن مین اپنی مصروفیتون کے سبب سے اخیر جون مین یہان پہنچا، اور یکم جولائی سے جو یہان کے تعلیمی سال کے آغاز کا زمانہ ہے، مین نے اپنا کام شروع کر دیا، اس اثنا مین دار القضاء اور بعض دوسرے صیغے بھی میرے حوالہ کئے گئے، جن کا گو مین اہل نہین، مگر ان کی خدمت کا جذبہ اپنے دل مین پاتا ہون، اور جی چاہتا ہے کہ ان صیغون کو جو ریاستون مین ان کی شان کے مطابق نہین ہین، ایسی ترقی دی جائے کہ وہ ریاستون کے دوسرے ترقی یافتہ صیغون کے برابر ہو جائین،

اسی سلسلہ مین سرکار بھوپال سے تالیف وتصنیف اور مفید کتابون کی طبع واشاعت کی غرض سے پانچ سو ماہانہ کی امداد بھی منظور کی گئی ہے، تاکہ اس سے غیر مطبوعہ عربی وفارسی کتابون کی اشاعت کا سلسلہ جاری کیا جائے، اور مفید اردو کتابون کی تالیف واشاعت عمل مین آئے، اور یہ کام بھی میری ہی نگرانی مین دیا گیا، چنانچہ اس کے لئے بعض تجویزین پیش نظر ہین،

اس سلسلہ مین بے شبہ کچھ زمانہ تک مجھے بھوپال مین قیام کرنا پڑے گا، لیکن ریاست نے یہ منظور کیا ہے کہ دار العلوم اور دار المصنفین کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے سال مین تین چار بار مجھے

لکھنؤ اور اعظم گڈھ آنے جانے کی اجازت رہے گی، و افوض امری الی اللہ ان اللہ رؤف بالعباد،

ہمارے دوست مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی رکن دار المصنفین نے ہمیشہ میری طویل غیر حاضری کے زمانہ مین، دار المصنفین کی علمی نگرانی کی ہے، چنانچہ میرے سفر یورپ کے زمانہ مین آٹھ ماہ کے قریب اور سفر حجاز کے موقع پر تین ماہ تک دار المصنفین اور معارف کی نگرانی فرمائی ہے، اور اس وقت بھی جب مین بھوپال مین ہون ارکان دار المصنفین کی خواہش پر انھون نے اس خدمت کو قبول کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزاے خیر دے،

احباب سے درخواست ہے کہ ان مین سے جو صاحب ذاتی طور سے مجھ سے خط و کتابت کرنا چاہتے ہین، وہ بھوپال کے پتہ سے کرین لیکن معارف سے متعلق ہر قسم کی مراسلت صرف اڈیٹر کے نشان سے اعظم گڈھ اور دار المصنفین سے متعلق مراسلت مہتمم دار المصنفین اعظم گڈہ کے نام سے کی جائے، اور ان دونون مین میرا نام نہ لکھا جائے، ورنہ تعمیل مین دقت ہوگی،

دار المصنفین مین پرانی کتابون کے ذخیرون کے ختم ہو جانے کے سبب سے ان کی دوبارہ اشاعت کا کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ نئی کتابون کی اشاعت کا کام التوا مین پڑ رہا ہے، اسی لئے اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ مطبع کے سامان کو بڑھایا جائے، چنانچہ نئی مشینون کی خریداری اور تلاش کا کام جاری ہے، اگر مقصد کے مطابق مشین مل گئی تو انشاء اللہ نئی کتابون کی اشاعت کا کام بھی شروع کر دیا جائیگا،

دار المصنفین مین بعض نئے رفقاء کا اضافہ ہوا ہے، گذشتہ سال سے مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی دار المصنفین کی رفاقت مین ہین جنکا مضمون "سرمد" معارف کی پچھلی اشاعتون مین نکلا ہے اور اب مولوی وحید احمد صاحب ندوی اور مولوی وحید الرحمن صاحب ندوی کا انتخاب ہوا ہے، یہ دونون صاحب دار المصنفین مین آگئے ہین اور کتابون کے مطالعہ مین مصروف ہین،

مقالات

علماے اسلام کا اخلاق

از

مولانا عبد السلام ندوی

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف ماہ جولائی)

گذشتہ نمبرون مین علماے اسلام کے جو محاسن اخلاق بیان کئے گئے ہین، ان سے یہ اندازہ ہوا ہوگا، کہ دور صحابہ و تابعین مین علماء کے جو مخصوص محاسن اخلاق تھے، وہ کم و بیش ہر دور مین ان مین موجود رہے، لیکن جون جون زمانہ گذرتا گیا، ان مین چند اخلاقی معائب بھی پیدا ہوتے گئے، ان کے محاسن اخلاق پیش کرنے کے بعد ان کے معائب پر بھی اس حیثیت سے نگاہ ڈالنا مفید ہے، کہ ہم یہ غور کر سکین کہ آج بھی ہم مین یہ عیوب کہانتک موجود ہین اور اگر ہین تو ہمکو انکی اصلاح کرنی چاہئے،

اسلام کی اخلاقی تاریخ مین سب سے پہلے امام غزالی نے ان معائب پر نگاہ ڈالی ہے اور علماء کے ہر گروہ کی اخلاقی برائیان دکھلائی ہین، اور احیاء العلوم مین ایک خاص باب باندھا ہے، جس کی سرخی "بیان اصناف المغترین" اس مین ان لوگون کی اخلاقی حالت بیان کی ہے جن کو اپنی نسبت دھوکا ہوتا ہے، اور وہ غلطی سے اپنے عیب کو ہنر سمجھتے ہین، اس مین انھون نے علما کے مختلف گروہ قرار دیئے ہین، اور ہر گروہ کے اخلاقی معائب بیان کئے ہین، چنانچہ لکھتے ہین کہ

ان مین ایک گروہ تو وہ ہے، جو ہمیشہ ظاہری عبادات مین مشغول رہتا ہے، اور گناہون سے اجتناب کرتا ہے، لیکن اس کا دل صفاتِ مذمومہ سے پاک نہین ہوتا، مثلاً غرور، حسد، ریا، شہرت پسندی، ریاست طلبی اور اپنے ہمسرون کو نقصان پہنچانا، یہانتک کہ ان مین بعض لوگون کو یہ بھی معلوم نہین کہ یہ اوصاف مذموم ہین،

دوسرا گروہ وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ شریعت مین یہ اخلاق مذموم ہین، لیکن خود پسندی کی وجہ سے اس کو اپنے یہ اخلاقی معائب نظر نہین آتے، اور وہ اپنے آپ کو ان سے بالاتر سمجھتا ہے، اور جب اس مین غرور، جاہ پسندی، اور ریاست طلبی کی علامتین ظاہر ہوتی ہین، تو کہتا ہے کہ یہ غرور نہین ہے، یہ علم دین کے عز و شرف کا اظہار اور دین کی حمایت ہے، اگر مین ادنیٰ درجے کے کپڑے پہنون اور ادنیٰ درجہ کی مجلس مین بیٹھون تو دشمنان دین اس پر خوش ہون گے، اور میری ذلت، اسلام کی ذلت ہوگی، لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی حالت کو بھول جاتا ہے، کہ انھون نے کس تواضع اور فقر و مسکنت کے ساتھ اسلام کی حفاظت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام مین نہایت معمولی کپڑے پہن کر آئے، تو لوگون نے اس پر نکتہ چینی کی لیکن انھون نے کہا کہ خدا نے ہم کو اسلام سے معزز کیا ہے، اس لئے ہم اس کے سوا اور کوئی عزت نہین چاہتے، اسی طرح جب وہ اپنے ہمسرون کے ساتھ حسد کا اظہار کرتا ہے تو یہ نہین سمجھتا کہ یہ حسد ہے، بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ غم و غصہ محض حق کے لئے ہے، اسی طرح جب وہ اپنے علم و عمل کی نمایش کرتا ہے، اور اس کو ریاکاری کا شبہہ پیدا ہوتا ہے تو کہتا ہے حاشا یہ ریاکاری نہین ہے، بلکہ علم و عمل کے اظہار سے میرا مقصد یہ ہے، کہ لوگ میری اقتدا کرکے دین کا راستہ پائین، اور عذاب الٰہی سے نجات حاصل کرین، لیکن اگر لوگ دوسرے عالم کی اقتدا کرنے لگین تو وہ اس پر خوش نہ ہوگا، اور اس حالت مین شیطان اسکو یہ دھوکا دیگا، کہ اگر لوگ مجھ سے ہدایت حاصل کرتے تو اس کا ثواب مجھ کو ملتا، لیکن اگر کوئی پیغمبر اس کو یہ بتائے، کہ گمنامی اور علم کے چھپانے مین اس کے ظاہر کرنے سے زیادہ ثواب ملے گا، اور اس کے ساتھ اس کو

قید کرکے بیڑیون مین جکڑ دیا جائے، تو وہ قید و بند سے نکلنے کی تدبیرین کرے گا، تاکہ پھر درس کے مسند اور وعظ کے منبر پر چڑھ کر اپنی ریاست کا اظہار کر سکے، وہ بادشاہون کے دربار مین جاتا ہے، اُن سے دوستانہ تعلقات رکھتا ہے، ان کی مدح و ثنا کرتا ہے، اور ان کے ساتھ بہ تواضع پیش آتا ہے، اور جب اس کے دل مین یہ بات کھٹکتی ہے کہ ظالم بادشاہون کے ساتھ بہ تواضع پیش آنا حرام ہے، تو شیطان اس کو دھوکا دیتا ہے کہ یہ تو اس وقت ہے جب اُن سے مال کی خواہش کی جائے، لیکن تمھارا مقصد تو مسلمانون کی سفارش کرنا اور ان کو نقصان سے بچانا ہے،

غرض اسی طرح امام صاحب نے متکلمین، فقہاء، اہلِ حدیث، وعاظ اور اہلِ ادب سب کے اخلاق پر تنقید کی ہے، اور نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لوگ نفس کے دقیق اخلاقی معائب سے ناواقف ہین، اور ان علوم سے ان کا مقصد صرف شہرت طلبی اور جاہ پسندی ہے، اور بعض واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے شیخ الاسلام حافظ ابو اسمٰعیل (المتوفی ۴۸۱ھ) کے حال مین لکھا ہے کہ وہ اپنی مجلس مین عمدہ کپڑے پہن کر اور قیمتی سواری پر سوار ہو کر جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ "مین دین کی عزت بڑھانے، اس کے دشمنون کے ذلیل کرنے کیلئے ایسا کرتا ہون، تاکہ وہ میرے اعزاز اور شان و شوکت کو دیکھین تو اسلام کی طرف مائل ہون،" پھر جب اپنے گھر مین آتے تھے، تو وہ گدڑی پہن کر خانقاہ مین صوفیون کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے، ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، اور ان سے کسی چیز مین امتیاز نہین حاصل کرتے تھے[۱]۔

امام سفیان ثوری کا قول ہے کہ "علم حدیث کی تحصیل موت کا زادِ راہ نہین ہے، بلکہ وہ نفس کے مشغول رکھنے کا ایک حیلہ ہے،" حافظ ذہبی اس قول کو نقل کرکے لکھتے ہین کہ انھون نے بالکل سچ کہا کیونکہ علم حدیث کی تحصیل اور چیز ہے اور حدیث اور چیز، علم حدیث کی تحصیل ایک عرفی نام ہے، جو

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صـ۳۸۱،

اُن امور پر مشتمل ہے، جو ماہیت حدیث پر زائد ہیں، اور زیادہ تر ان امور سے محدث اپنے دل کا شوق پورا کرتا ہے، مثلاً عمدہ نسخون کا حاصل کرنا، معالی کی تلاش کرنا، شیوخ کی تعداد کا بڑھانا، خطاب و لقب اور تعریف سے خوش ہونا، روایت کرنے کے لئے طویل عمر کی آرزو کرنا، اور چند ایسے امور مین سب سے منفرد ہونا، جو اغراض نفسیانہ کے لئے نہ کہ اعمال ربانیہ کے لئے ضروری ہین، جب علم نبوی کی تحصیل ان آفات مین گھری ہوئی ہے، تو تم کو اخلاص کیونکر حاصل ہو سکتا ہے، اور جب علم آثار خدشات سے محفوظ نہین، تو علم منطق، جدل اور حکمت کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے، جو ایمان کو سلب کر لیتے ہین، اور شکوک و حیرت پیدا کرتی ہین[1]، اسی نکتے کو امام غزالی ان الفاظ مین بیان کرتے ہین، کہ "ان مین بعض لوگ شہرون مین گھومتے ہین، اور شیوخ کو دیکھتے ہین، تاکہ وہ یہ کہہ سکین کہ مین فلان سے روایت کرتا ہون، اور مین نے فلان کو دیکھا ہے، اور میرے پاس ایسی اسناد ہین، جو اور ون کے پاس نہین ہین"،

علما کی اخلاقی حالت پر مناظرون کے عام رواج کا نہایت مضر اثر پڑا، دور عباسیہ تک تو یہ مناظرے علم کلام کے مسائل کے متعلق ہوا کرتے تھے، لیکن جب ان کی وجہ سے سخت تعصب پھیل گیا، اور جنگ و خونریزی تک نوبت پہنچ گئی، تو مناظرے کے لئے فقہ کا میدان انتخاب کیا گیا، اور زیادہ تر امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رح کے اختلافی مسائل کے متعلق مناظرے ہونے لگے، غالباً اس تخصیص کی وجہ یہ ہوگی کہ دوسرے مذاہب مین عقلی زور آزمائی کا موقع بہت کم ملتا تھا، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مذہب ہی عقل و قیاس کی آمیزش نے طباعی اور احتمال آفرینی کے مواقع زیادہ پیدا کر دیئے تھے، اس لئے مناظرے کے لئے یہ دونون مذاہب زیادہ موزون تھے، بہرحال ان دونون مذاہب کے درمیان مناظرے کا عام

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۰۵،

رواج ہوا، اور امرا و وزرار کے سامنے اس قسم کی مجلسین منعقد ہونے لگین، اُنھون نے اس قدر وسعت حاصل کی کہ ماتمی حلقے بھی ان سے خالی نہ رہے، ابو الولید باجی کا بیان ہے کہ بغداد مین یہ رسم ہے کہ جب کسی کا کوئی محبوب عزیز مرجاتا ہے، تو وہ چند دن اپنے محلے کی مسجد مین اپنے پڑوسیون اور عزیزون کے ساتھ اس کے ماتم مین بیٹھتا ہے، اور سوگ کے دن یا تو قرآن مجید کی تلاوت مین گذارے جاتے ہین، یا فقہا کے درمیان مناظرے کرائے جاتے ہین[1]، یہ طریقہ اگرچہ علم و فن کی ترقی کے لئے نہایت مفید تھا، لیکن اس سے علما مین بہت سی بداخلاقیان پیدا ہوگئین، امام غزالی نے احیاء العلوم مین ان کی جو تفصیل کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

۱۔ حسد، کوئی مناظر حسد سے خالی نہین ہوتا، کیونکہ وہ کبھی غالب ہوتا ہے، اور کبھی مغلوب، کبھی اس کے کلام کی تعریف ہوتی ہے، اور کبھی دوسرے کا کلام قابلِ ستائش خیال کیا جاتا ہے، اس لئے جب تک دنیا مین علم و مناظرہ مین اس سے بہتر کوئی شخص موجود ہوگا وہ اس پر حسد کرے گا،

۲۔ تکبر و ترفع۔ کوئی مناظر کبر و ترفع سے خالی نہین ہوتا، یہان تک کہ مناظرے کی بعض مجلسون مین وہ اس پر جنگ کرتے ہین، کہ کون نیچے بیٹھا ہے، اور کون اوپر، اور کون رئیس کے مسند سے قریب ہے، اور کون دور، اور اس کا نفس یہ دھوکا دیتا ہے، کہ اس سے علم کی عزت کا تحفظ مقصود ہے، اور مسلمان کو ذلت اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے،

۳۔ کینہ و عداوت، ہر مناظر مین یہ بداخلاقی پائی جاتی ہے، کیونکہ جو شخص اس کے فریق کی بحث کو پسند کرتا ہے، اور خود اس کی بحث کو پسندیدگی سے نہین سنتا، اس کے دل مین اس سے بغض پیدا ہوجاتا ہے، اگر اس کے حریف نے اس کی بحث کے ساتھ تھوڑی سی بھی بے اعتنائی کی، تو اس کے

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۳ ص ۱۰۵،

دل میں ایسی عداوت پیدا ہو جاتی ہے، جو قیامت تک زائل نہیں ہو سکتی

۴۔ غیبت، کوئی مناظر ایسا نہیں ہے جو اپنے فریق کی بحث کی برائی بیان نہ کرتا ہو، اور اسی کا نام غیبت ہے، اسی طرح جو لوگ اس کی بحث سے اعراض کرتے ہیں، اور اس کے فریق کی بحث کو سنتے ہیں، ان کو جاہل، احمق، اور غبی کہتا ہے،

۵۔ خود ستائی، ہر مناظر علم و فضل میں اپنی بڑائی بیان کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بھلا مجھ جیسے شخص سے یہ بات مخفی رہ سکتی ہے؟ علم حدیث اور اصول کا میں سب سے بڑا ماہر ہوں،

۶۔ تجسس، مناظر ہمیشہ اپنے فریق کی برائیوں کی ٹوہ میں رہتا ہے، یہاں تک کہ جب کوئی مناظر اوس کے شہر میں آتا ہے، تو اس کو ایسے شخص کی تلاش ہوتی ہے، جو اس کی اندرونی حالت کو بتائے، وہ لوگوں سے پوچھ پوچھ کر اس کے عیوب کا پتہ لگاتا ہے، تاکہ اس کے ذلیل و شرمندہ کرنے کے لئے مسالہ ہاتھ آئے، یہاں تک کہ وہ اس کے بچپن کے حالات اور جسمانی عیوب کا پتہ لگاتا ہے، اور تمسخر اور استہزاء سے ان کا اظہار کرتا ہے،

۷۔ شماتت، جو شخص علم و فضل کا اظہار فخر و مباہات کے لئے کرتا ہے، اوس کو یقیناً اس چیز سے مسرت ہوتی ہے، جس سے اس کے حریف کو رنج پہنچتا ہے، ایسی حالت میں رنج و غم میں باہمی شرکت جو علمائے قدیم میں پائی جاتی تھی، وہ کہاں باقی رہتی ہے؟

۸۔ نفاق، ایک مناظر اپنے حریف سے بظاہر تو نہایت تپاک سے ملتا ہے لیکن اس کا دل اس کے بغض سے بھرا ہوا ہوتا ہے، اور اسی کا نام نفاق ہے،

۹۔ اعراض عن الحق، مناظر کو یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے، کہ اس کے حریف کی زبان سے حق کا اظہار ہو، چنانچہ جب کبھی اظہار ہوتا ہے تو وہ اس کا انکار کرتا ہے، اور اس میں ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیتا ہے، یہاں تک کہ کج بحثی اس کی فطرت بن جاتی ہے،

۱۰۔ ریاکاری، مناظر کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے، کہ لوگوں میں اس کا نام و نمود ہو، اور لوگ اس کی مدح و ستایش کریں، اس لئے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے وہ سعی بلیغ کرتا ہے، اور اسی کا نام ریا ہے،

یہ برائیاں تو اکابر و عقلاء میں پائی جاتی ہیں، اور ان برائیوں سے اور بھی بداخلاقیاں پیدا ہوتی ہیں، مثلاً حقد، غصہ، دشمنی، حرص، جاہ و مال کی خواہش، فخر، تعلی اور غرور وغیرہ اور جو لوگ کم درجہ کے ہوتے ہیں، وہ جھگڑا فساد، مارپیٹ، سب و شتم اور افتراء و بہتان سے بھی دریغ نہیں کرتے، جو لوگ شہرت طلبی اور زر پرستی کے لئے وعظ و پند کا پیشہ اختیار کرتے ہیں، ان میں بھی یہ تمام بداخلاقیاں پائی جاتی ہیں، اور جو لوگ قاضی بننے اوقاف کے متولی ہونے اور ہمسروں پر تفوق حاصل کرنے کے لئے علم فقہ اور علم خلافی میں مشغول رہتے ہیں، وہ بھی ان بداخلاقیوں سے خالی نہیں ہوتے[1]

ان تمام بداخلاقیوں کا ظہور تعصب کی شکل میں ہوا، اور یہ وبا صرف علماء تک محدود نہیں رہی بلکہ اس سے عوام بھی شدت کے ساتھ متاثر ہوئے، اور باہم سخت جنگ و خونریزیاں ہوئیں، ابن حوقل لکھتا ہے، کہ رے کے باشندے شافعی المذہب اور حنفی المذہب ہیں، لیکن شافعیوں کی تعداد حنفیوں سے کم ہے، ان دونوں میں سخت تعصب ہے، اور اس تعصب کی وجہ سے ان میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں، جن میں باوجود تعداد کی کمی کے شافعیوں کو غلبہ حاصل ہوا،[2]

یاقوت حموی نے ان لڑائیوں کے دردانگیز نتائج کو بچشم خود دیکھا ہے، اور عبرت انگیز طریقے پر ان کی تفصیل کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ میں رے کے ویرانہ سے ۶۱۷ھ میں گذرا تو دیکھا کہ اس کے کھنڈروں کی دیواریں کھڑی ہیں، اس کے منبر باقی ہیں، اور چونکہ جلد ہی ویران ہوا ہے، اس لئے اس کی دیواروں کے نقش و نگار علی حالہ قائم ہیں، میں نے وہاں کے ایک سمجھدار آدمی سے اس ویرانی کا سبب

---

[1] احیاء العلوم جلد اول بیان آفات المناظرۃ و ما یتولد منہا من مہلکات الاخلاق [2] ابن حوقل ص ۲۴۴،

پوچھا اس نے کہا کہ سبب تو معمولی ہے، لیکن خدا جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو پورا ہی کر دیتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس شہر مین تین گروہ تھے، ایک تو شافعیہ جن کی تعداد بہت کم تھی دوسرے حنفیہ جن کی تعداد بہت زیادہ تھی، تیسرے شیعہ جن کی تعداد ان سب سے زیادہ تھی، کیونکہ اہل شہر مین نصف شیعہ تھے، اور دیہات کے باشندون مین زیادہ تر شیعہ اور تھوڑے سے حنفی تھے، اور ان مین شافعی کوئی بھی نہ تھا، پہلے سنیون اور شیعون مین تعصب پیدا ہوا اور حنفیون اور شافعیون نے اُن پر غلبہ حاصل کر لیا، اور طویل لڑائیون کے بعد ان دونون نے شیعون کا نام و نشان تک مٹا دیا، اس کے بعد حنفیون اور شافعیون مین تعصب پیدا ہوا، اور ان دونون کے درمیان لڑائیان ہوئین جن مین باوجود تعداد کی کمی کے شافعیون کو غلبہ حاصل ہوا، دیہاتی لوگ جو حنفی تھے، شہر مین ہتھیار لیکر آتے تھے، اور اپنے ہم مذہب لوگون کی مدد کرتے تھے، لیکن اس سے حنفیون کو کچھ فائدہ نہین پہنچا، اور شافعیون نے ان کا بالکل خاتمہ کر دیا، یہ ویران محلے جن کو تم دیکھ رہے ہو، شیعون اور حنفیون کے محلے ہین، صرف یہ محلہ جو شافعیہ کے نام سے مشہور ہے، باقی رہ گیا ہے، اور وہ رے کا سب سے چھوٹا محلہ ہے، اور شیعون اور حنفیون مین صرف وہی لوگ رہ گئے ہین، جو اپنے مذہب کو چھپاتے ہین[1]

اصفہان مین بھی اس خانہ خراب تعصب نے اسی قسم کی ویرانی پیدا کر دی، چنانچہ یاقوت حموی اصفہان کے حالات مین لکھتا ہے، کہ شافعیون اور حنفیون کے تعصب اور دونون کی متصل لڑائیون کی وجہ سے اصفہان اور اس کے اطراف مین اس وقت اور اس سے پہلے عام ویرانی پیدا ہو گئی ہے، کیونکہ جب کسی فریق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، تو وہ دوسرے فریق کے محلے کو لوٹ لیتا ہے، اس کو جلا دیتا ہے، اور اس کو ویران کر دیتا ہے،[2]

اختلاف عقائد کی وجہ سے جو تعصب پھیل گیا تھا، وہ اس پر مستزاد تھا، ابو نصر عمید الملک کندری

[1] معجم البلدان جلد اول ص ۲۰۲، [2] ایضاً ج اول ص ۲۷۳،

جو طغرل سلجوقی کا وزیر تھا، نہایت متعصب تھا، اوس نے الپ ارسلان سلجوقی سے اس بات کی اجازت لی کہ خراسان کی مسجدون مین سر منبر شیعون پر لعنت بھیجی جائے، اس نے اس کی اجازت دیدی، عمید الملک نے اس مین اشعریون کو بھی شامل کر لیا، جس سے ائمہ خراسان مین سخت برہمی پھیل گئی، اور ابو القاسم قشیری اور امام الحرمین نے خراسان کو چھوڑ دیا،[1]

تعصب و مناظرہ کے علاوہ فقہا کی موشگافیون نے فقہی حیلون کا ایک اور فتنہ پیدا کیا جس سے اسلام مین ایک عظیم الشان مذہبی و اخلاقی انقلاب پیدا ہو گیا، اور بہت سی ناجائز چیزین ان حیلون کے ذریعہ سے جائز ہو گئین، اس قسم کی حیلہ بازیان فقہ کے چوتھے دور مین شروع ہوئین، جو دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا، اور چوتھی صدی تک ختم ہو گیا، کیونکہ اس دور مین مسلمانون مین عقلی ترقی کے ساتھ اخلاقی انحطاط شروع ہو گیا تھا، اور عیش و عشرت کی گرم بازاری ہو چلی تھی، لیکن اسی کے ساتھ مذہب کا اثر بھی قائم تھا، اس لئے مذہب کی دار و گیر سے مفر کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی، کہ جو کچھ کیا جائے، اس کے جواز کے لئے مذہب ہی کی سند حاصل کی جائے، اس قسم کی حیلہ بازیون کے بہت سے واقعات کتابون مین مذکور ہین،

یہ حیلے امرا و سلاطین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تراشے جاتے تھے، ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان لوگون کو کسی مذہبی کشمکش سے نجات دلائی جائے،

لیکن بعد کو ان باتون کی کوئی تخصیص نہین رہی، اور یہ ایک مستقل فن بن گیا، اور اس پر کتابین لکھی گئین، جن پر عمل کرنے سے تمام حقوق شرعیہ ساقط ہو سکتے ہین، مثلاً ایک شخص کے پاس اس قدر مال ہے، کہ سال کے ختم ہونے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی اب زکوٰۃ سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ سال کے ختم ہونے پر اس کو اپنے اہل عیال پر ہبہ کر دے پھر جب نیا سال شروع ہو تو اپنے اوپر ہبہ کرا لے،

[1] ابن خلکان جلد دوم ص ۸۰،

بنے ہوئے صوفیہ نے بھی ان حیلون سے فائدہ اٹھایا، اور جو چیزین شرعاً ناجائز تھین، نام بدل کر ان کو جائز کرلیا، بھانگ کا ایک خاص نام رکھ لیا، طنبور، عود، بربط وغیرہ باجون کے نام بدل دیئے، گویّے کو حادی، مطرب وغیرہ کہنے لگے[۱] لیکن محدثین نے ان حیلون پر سخت اعتراضات کئے ان کے نزدیک تمام اعمال کی بنیاد نیت پر ہے، اور نام اور صورت بدل دینے سے کسی چیز کی حقیقت نہین بدل جاتی، خود حدیث مین ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس مین پانچ چیزین، پانچ چیزون کے نام سے حلال کرلی جائین گی، شراب ایک خاص نام سے، رشوت ہدیہ کے نام سے، قتل، رعب و داب کے نام سے، زنا نکاح کے نام سے، اور سود بیع کے نام سے[۲] ابن قیم نے اعلام الموقعین مین اور علامہ ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی مین ان حیلون کے ابطال پر نہایت مفصل بحثین کی ہین، اور ان کے متعلق محدثین کے نہایت سخت اقوال نقل کئے ہین، امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ نے ان حیلہ بازون کی تکفیر کی ہے، اور ان کا متفقہ قول یہ ہے کہ جو شخص ان حیلون کے مطابق فتوی دیتا ہے، وہ اسلام کے نظام کو الٹ پلٹ دیتا ہے، اور اسلام کے شیرازے کی ایک ایک گرہ کھول کر رکھدیتا ہے، ایک عورت اپنے شوہر سے خلع کرانا چاہتی تھی، لیکن شوہر اس پر راضی نہین ہوتا تھا، اب اس کو یہ تدبیر بتائی گئی کہ اگر تم مرتد ہوجاؤ تو نکاح ٹوٹ جائے گا، چنانچہ اس نے اس پر عمل کیا، حضرت عبد اللہ بن مبارک سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انھون نے کہا کہ جس شخص نے اس قسم کے حیلون پر کتاب لکھی ہے، وہ کافر ہے، جس نے اس کو سنا اور پسند کیا وہ کافر ہے، اور جو شخص اس کو ایک ضلع سے دوسرے ضلع مین لے گیا وہ کافر ہے، نضر بن شمیل کہتے ہین کہ کتاب الحیل مین تین سو بیس یا تیس مسئلے ایسے ہین، جو سب کے سب کفر ہین، قاسم بن معن کہتے تھے، کہ تم لوگون نے حیلون پر جو کتابین لکھی ہین، وہ بدکاری کی کتابین ہین[۳] لیکن

---

[۱] اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۱۰۰، [۲] اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۱۰۷-۱۰۶، [۳] اعلام الموقعین، جلد ۳ ص ۱۴۲ و ۱۴۳،

باایہمہ اوس زمانہ مین مذہب و اخلاق کا اس قدر اثر تھا کہ لوگ ان کتابون کو علانیہ اپنے نام سے نہین لکھ سکتے تھے، چنانچہ آج تک یقین کے ساتھ ان کے مصنفین کا نام نہین بتایا جاسکتا، دور جدید کے ایک مصنف نے لکھا ہے، کہ فقہ کے اس دور مین نئے نئے مسائل کے ایجاد کرنے کا جو میلان پیدا ہوگیا تھا، اوس نے ضعیف المذہب لوگون کو اس قسم کے حیلون کے ایجاد کرنے پر آمادہ کیا[۱] لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ عباسی دور مین جو عجمی فرقے ملکی حیثیت سے مسلمانون کے مذہب و اخلاق مین ضعف پیدا کرنا چاہتے تھے انھون نے گمنام طریقے پر اس قسم کی کتابین شائع کردی ہون،

بہرحال یہ ایک مذہبی اور اخلاقی فتنہ تھا، جو عباسی دور مین عقلی ترقی اور اخلاقی تنزل کے ساتھ ساتھ پھیلا، اور رند مشرب اور اہل دول اس سے خاص طور پر متاثر ہوئے، اور محدثین نے اس کی روک تھام مین خاص طور پر حصہ لیا، امام غزالی نے بھی احیاء العلوم مین ان حیلون کو فقہا کا ایک دھوکا قرار دیا ہے،[۲]

علماء مین جن لوگون نے وعظ و پند کو اپنا پیشہ بنالیا تھا، ان کی حالت اس سے بھی بدتر تھی، اگر علماء کے بعض اخلاق مذہبی اور صوفیانہ نقطۂ نظر سے گو قابل اعتراض ہون، لیکن دنیوی حیثیت سے ان مین ترفع، بلندی، اور طباعی پائی جاتی تھی، لیکن واعظون نے بالکل گداگری کا پیشہ اختیار کرلیا تھا. اور عبارت آرائی، رنگین بیانی اور قصہ خوانی کے ذریعہ سے لوگون کے دلون کو اپنی طرف مائل کرتے تھے، امام غزالی نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے واعظون کی یہی حالت ہے، اگر کوئی شخص شاذونادر ملک کے کسی گوشے مین اس کے خلاف ہو تو ہو، لیکن ہم کو کوئی ایسا شخص معلوم نہین، ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ مین ایک بڑے خطیب کی مجلس وعظ کے ذکر مین لکھا ہے، کہ انھون نے اپنی مجلس ان الفاظ مین ختم کی کہ حاضرین مین نے ایک رات تو خدا کے حرم مین تمھارے سامنے وعظ کہا اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مین

---

[۱] تاریخ التشریع الاسلامی ص ۲۰۵، [۲] احیاء العلوم جلد ۳ ص ۱۴۲،

وعظ کہتا ہون، "واعظ کے لئے گداگری ضروری ہے" اس لئے مین تمھارے سامنے ایک حاجت پیش کرتا ہون، اگر تم لوگ اس کے پورا کرنے کا وعدہ کرو تو مین اس کو بیان کرکے اپنی آبروریزی کرون، لوگون نے نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اس حاجت کے پورا کرنے کا اعلان کیا، تو اس نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ تم لوگ اپنے سرون کو کھول کر اور ہاتھون کو پھیلا کر اس پیغمبر کے سامنے دعا کرو کہ وہ مجھ سے راضی رہے، اور خدا کو بھی مجھ سے راضی کر دے،

یہ ایک نہایت دولت مند آدمی تھا، اس لئے اوس نے کوئی دنیوی غرض پیش نہین کی، تاہم اس کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعظ گوئی کے لئے گداگری ضروری تھی، اور یہ گداگری جس طرح بھری مجلس مین کی جاتی تھی، ابن جبیر نے اس کا ذکر بھی نہایت ناگواری کے ساتھ کیا ہے[۱]، اسی قسم کے فقہا، و واعظین تھے، جن پر شیخ سعدی اور خواجہ حافظ نے ریاکاری، جاہ طلبی، زرپرستی اور عجب وغرور کے الزامات لگائے ہین،

لیکن ہر دور کے علماے حق کے امتیازی اوصاف وہی رہے ہین، جن کی تفصیل گذشتہ نمبرون مین بیان کی گئی ہے،

---

[۱] سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۰۱،

عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب رفیق دار المصنفین

(۱۰)

حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف فروری ۴۲ء)

حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہ العزیز حضرت شیخ صدر الدین کے لڑکے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے، والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد و تقوی کی وجہ سے رابعۂ عصر کہلاتی تھین، انھون نے اپنے خسر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے زیرِ سایہ باطنی و روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتی تھین، حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی، کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا، ایک دن جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا چارپائی پر بیٹھے تھے، اور دستارِ مبارک سر سے اتار کر چارپائی کے پایہ پر رکھ دی تھی، حضرت شیخ صدر الدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے آئے، اور دادا کی دستارِ مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے، مگر دادا نے فرمایا کہ صدر الدین بگڑی

پہننے سے اس کو نہ روکو۔ . . . . . . وہ اس کا مستحق ہے، اور مین یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہون" چنانچہ وہ پگڑی محفوظ کردی گئی، اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو وہ انکے سر پر رکھی گئی،[1]

ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، اور روحانی تربیت مین جد امجد سے فیضیاب ہوئے، دونون ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، شیخ رکن الدین دونون بزرگون کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی اُن سے آنکھیں چار نہ کرتے، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اس خورد سالی مین ان کے اس ادب سے متاثر ہوکر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی نے ان کو رکن الدین عالم کا لقب عطا فرمایا، اور وہ رکن عالم کے نام سے مشہور ہوئے،[2] انھی دونون بزرگون کی صحبت مین انھون نے صوری و معنوی کمالات حاصل کئے، علم، تواضع، شفقت، حلم، موافقت، بشاشت، مروت، عفو، حیا، وقار، حسن ظن اور تصغیر نفس جملہ صفات ان مین بدرجۂ اتم پائی جاتی تھین، اور انھون نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے، کہ ان کو "مخزن مشہود الٰہی" "منبع جود نامتناہی" "ادریس خلوت وحدت" "برجیس برج معرفت" "گوہر معدن صفات لاریب" "لولوے سحاب دریاے غیب" "زبدۃ المشائخ" "مفتاح قفل حق الیقین"[3] کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سیر العارفین کے مولف نے اُن کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ مین کی ہے،

جہانِ معرفت سلطانِ معنی	وجودش آیتے در شانِ معنی
دلش از ظلمتِ اسرار مسرور	ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت شیر بے باک	بظاہر در شریعت چست و چالاک
بریدہ گردن شیطانِ خناس	خریدہ نقش زتیغ پاس انفاس

[1] سیر العارفین ص ۶، و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،
[2] مراۃ الاسرار قلمی [3] سیر العارفین ج ۲ ص ۱،

بملک فقر از کشف و کرامات	زدہ بر عرش کوس استقامات
گلابش پاک از طامات و از شطح	یگانہ شیخ رکن الدین ابوالفتح
بملک فقر جز نعمت نبود شش	ہما آن ریزہ چین خوان جودش

چھتیس سال کی عمر مین جب وہ والد بزرگوار کی مسند خلافت پر بیٹھے، تو ہر گوشہ سے لوگ خدمت مین حاضر ہو کر فیضیاب ہوئے، جو بھی اہلِ حاجت حاضر ہوتا، اس کی حاجت روائی ضرور فرماتے، اسی لئے "قبلۂ حاجات" بھی کہلاتے تھے، مجلس مین جس کے دل مین کوئی بات آتی، اس کا ان کو کشف حاصل ہوجاتا، اور اس کی دلجوئی کرتے،

مشائخ و سلاطین دونون سے ملتے، مگر ان کے مراتب کے حدود کو ملحوظ رکھ کر تعلقات قائم کرتے تھے، سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ مین ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو سلطان نے شاہی کروفر کے ساتھ دہلی سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا، اور دو لاکھ ٹنکے نذر پیش کئے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کئے، حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقراء و مساکین مین تقسیم دی اور اپنے ساتھ ایک حبہ بھی نہ لے گئے، سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز و اکرام کے باوجود فرماتے تھے کہ مین ملتان سے دہلی صرف سلطان نظام الدین اولیاء کی محبت اور شوق ملاقات مین آتا ہون، حضرت سلطان الاولیاء کو بھی اُن سے قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ جب وہ سلطان علاء الدین کی دعوت پر دہلی آئے، تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لئے سلطان وقت اپنے خدم و حشم کے ساتھ تھا، تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیاء بھی اپنی جلالت و عظمت کے ساتھ ان کے لئے چشم براہ تھے،

حضرت شیخ رکن الدین گو دہلی مین شاہی مہمان ہوتے تھے، مگر زیادہ وقت سلطان الاولیاء ہی کی صحبت مین بسر کرتے تھے، دونون ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے، ایک مرتبہ جب حضرت شیخ

رکن الدین دہلی آئے، تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع مسجد تشریف لے گئے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء
پہلے سے مسجد میں موجود تھے، خود بڑھ کر حضرت شیخ رکن الدین سے ملے، اور تھوڑی دیر اُن کے پاس بیٹھکر
اپنی جگہ واپس آئے، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین جا کر اُن کے قریب بیٹھے، اسی قیام کے زمانہ
میں حضرت شیخ رکن الدین حضرت سلطان الاولیاء کی زیارت کے لئے ان کی خانقاہ بھی گئے، لیکن پاؤں
میں کچھ تکلیف تھی، اس لئے پالکی سے باہر نہ نکل سکے، اور خود حضرت شیخ نظام الدین دوسرے درویشوں کے
ساتھ پالکی کے پاس بیٹھے رہے، وہیں کھانا منگوایا، کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا اور سو اشرفیاں حضرت
شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور نذر کے پیش کیں، انھوں نے قبول کرنے میں تامل کیا، اس لئے محبوب
الٰہی نے اُن کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے حوالہ کر دیا،[1]

حضرت بہاء الدین زکریا کے نواسے مولانا علم الدین فرماتے ہیں، کہ ایک بار حضرت شیخ رکن الدین
نے کیلوکھری کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد سلطان الاولیاء کی خانقاہ میں قدم رنجہ فرمایا،
یہاں پہلے سے کچھ فقراء اور مشائخ موجود تھے، اس قران السعدین کے وقت مولانا علم الدین کے دل
میں بعض علمی نکات کے حل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کی کہ ہجرت
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا مصلحت تھی؟ حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا، کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت پر موقوف و منحصر تھی، اس لئے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما ہوئے،
حضرت سلطان الاولیاء نے اتنا فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لئے
بھیجا، کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کے استطاعت نہیں رکھتے تھے،
وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستعد ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں[2]
غالبًا حضرت شیخ رکن الدین دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر

[1] اخبار الاخیار ص ۷۰، [2] سیر العارفین جلد دوم ص ۴، [3] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲،

کے عرس کا زمانہ آگیا، چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس کی تقریب منائی گئی، عرس کی محفل میں حضرت
شیخ رکن الدین بھی شریک ہوئے، مجلس سماع میں حضرت سلطان الاولیاء پر وجد طاری ہوگیا، اور غایت
اضطراب میں کھڑے ہونا چاہا، مگر شیخ رکن الدین نے ان کا دامن پکڑ کر بٹھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر وجد
کی کیفیت شروع ہوئی، تو پھر کھڑے ہوگئے، اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں
کی، بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مؤدب کھڑے ہوگئے، مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدین نے
حضرت شیخ رکن الدین سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے سلطان الاولیاء کو کھڑے
ہونے دیا، لیکن دوسری بار نہیں روکا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا، کہ پہلی بار شیخ نظام الدین کی رسائی
عالم ملکوت تک ہوئی تھی وہاں تک میری گذر ممکن تھی، اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا، اور ان کو بٹھا دیا، دوسری
بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی، وہاں تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے مزاحم نہ ہوا،[1]

حضرت سلطان الاولیاء سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت وعقیدت کا اظہار اس واقعہ
سے بھی ہوتا ہے، کہ انھوں نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنامی کو محبوب الٰہی
کی قربت کی خاطر دہلی ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا، حضرت عثمان جن کا مزار شریف دہلی میں ہے، جب
سنام سے سیر وسیاحت کرتے ہوئے دہلی پہونچے، تو ایک دن کیلوکھری میں نہر کے پاس حضرت شیخ
رکن الدین کو نماز پڑھتے دیکھا، چہرۂ اقدس پر نظر پڑتے ہی دل انوار روحانی سے منور ہوگیا، اور وہیں باضابطہ ارادت حاصل کرلی،
حضرت شیخ ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے، اور دو سال تک اپنی معیت میں رکھا، اسی مدت میں کلام پاک
حفظ کیا، اور مرشد سے حضرت شیخ شہاب الدین کی تصنیف عوارف پڑھتے رہے، خود حضرت شیخ رکن الدین
کا بیان ہے کہ جس دن سے شیخ عثمان مرید ہوئے، ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کرلیا، ایک تہبند کے
علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی، اسی بے سر وسامانی کی حالت میں حج کے لئے تشریف لے گئے،
مدینہ منورہ میں ایک سال رہکر دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، طواف کے دوران میں چشم بینا

[1] سیر العارفین ص ۶، ۵، و فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲،

سے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اُن کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہین، یہ دیکھ کر بے چین ہوگئے، اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوگئے، سات برس کے بعد ملتان لوٹے تو مرشد نے گلے سے لگایا اور سر کو بوسہ دیکر فرمایا کہ تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ جس روز اپنے سر پر حضرت خضر علیہ السلام کا سایہ دیکھا، اسی وقت مسافرت اختیار کر لی ورنہ مخلوق کے فتنہ مین پڑجاتے، یہ کہکر اپنا پیراہن محبوب مرید کو پہنایا، اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی، اور پھر چند روز اپنے ساتھ ٹھہرا کر دہلی روانہ کر دیا، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ تم وہین قیام کرنا جہان حضرت شیخ نظام الدین مقیم ہین، وہان جاکر پہلے حضرت شیخ نظام الدین کو میرا سلام پہنچانا، اور وہ جہان رہنے کا حکم دین، وہین سکونت اختیار کرنا، چنانچہ حضرت شیخ عثمان نے دہلی پہونچکر محبوب الٰہی کی خدمت مین مرشد کا سلام پہنچایا، انھون نے کھڑے ہوکر علیک و علیہ السلام فرمایا، حضرت شیخ عثمان کو محبوب الٰہی کی صحبت مین اُن سے ایسی محبت و شیفتگی پیدا ہوگئی، کہ ہر جگہ اس کا چرچا پھیل گیا، حضرت شیخ عثمان کو سماع کا ذوق پہلے سے بھی تھا، محبوب الٰہی کی مجلسون مین شرکت سے یہ ذوق اور بھی بڑھ گیا، ایک بار اپنی قیامگاہ پر مجلسیون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، کہ سامنے امیر حسن قوال اپنے ساتھیون سمیت گذرا، امیر حسن کو محبوب الٰہی بہت ہی عزیز رکھتے تھے، اور اس کے گانے کے بہت فریفتہ تھے، امیر حسن بھی محبوب الٰہی اور شیخ عثمان کے گہرے مراسم سے واقف تھا، ان کو دیکھ کر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، حضرت شیخ عثمان محبوب الٰہی کے ہمدم مجلس اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے، اور اس سے کچھ سنانے کی فرمایش کی، اس زمانہ مین سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر قدغن تھی، اس لئے امیر حسن کو اس فرمایش کی تعمیل مین تامل ہوا، حضرت شیخ عثمان کواڑ مین زنجیر لگاکر گانے کے لئے مصر ہوئے، امیر حسن نے سلطان وقت کے خوف سے دھیمی آواز مین یہ بیت شروع کی،

زاہد زدین برآمد و صوفی ز اعتقاد

تو سامحمدی شد و عاشق ہمان کہ ہست

امیر حسن نے جب تکرار کے ساتھ اس کو گایا، تو حضرت شیخ عثمان بے خود اور بے قابو ہوگئے، اور امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا، وہ بھی شیخ کے جذب و بے خودی کو دیکھ کر بے اختیار ہوگیا، اور دل کھول کر گانے لگا، حضرت شیخ عثمان نے اس بے خودی مین دروازہ کھول دینے کا حکم دیا، بائیس قوال اور آگئے، اور یہ محفل سماع جذب و کیف کی ایسی مجلس بن گئی، کہ شہر کے تمام صوفیہ آکر جمع ہوگئے، اور کئی ہزار تماشائیون پر حال و قال طاری ہوگیا، اور حضرت شیخ عثمان مذکورۂ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کی حالت مین جماعت خانہ سے نکل آئے، اور تغلق آباد کی طرف چل کھڑے ہوئے، قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے، پیچھے لوگون کا مجمع تھا، اور سب کے سب شیخ کے جذب و بیخودی کے اثر سے سرشار تھے، اسی حال مین شیخ تغلق آباد شاہی محل کے پاس پہونچے، سلطان غیاث الدین تغلق سمجھا کہ کوئی فتنہ اٹھا ہے، ملک شادی خان کو تحقیقات کے لئے بھیجا، اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ حضرت شیخ عثمان صوفیون اور قوالون کی ایک کھلی ہوئی محفل سماع منعقد کئے ہوئے ہین، سلطان پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے مگر پھر اس نے اس فہرست کو منگاکر دیکھا، جس مین ان درویشون اور فقراء کے نام درج تھے، جنھون نے اس کے حریف اور شاہی تخت کے دعویدار خسرو خان سے رشوتین قبول کی تھین، مگر اس مین حضرت شیخ عثمان کا نام نہ تھا، اس لئے سلطان کی برہمی نرمی مین بدل گئی، اور وہ حضرت شیخ عثمان کو مست الست دیکھ کر خود بہت متاثر ہوا، اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیون کو لاکر محل کے اندر ٹھہرایا جائے، اور شاہی باورچی خانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے، چنانچہ پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے الوان نعمت سے متمتع ہوتی رہی، اور جب حضرت شیخ عثمان رخصت ہونے لگے، تو سلطان نے نذر پیش کی، مگر انھون نے اس کو قبول نہین کیا، اور غیاث پور کی طرف چل کھڑے ہوئے[1]، یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے، جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء

---

[1] سیر العارفین جلد دوم ص ۱۰۵،

کے حال مین کیا جا چکا ہے،

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی تھے، مگر یہ تعلقات محض خدمت خلق اللہ کی خاطر تھے، علاء الدین خلجی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا، تو اس کو محبوب الٰہی سے ذاتی مخاصمت پیدا ہو گئی جس کی تفصیل حضرت نظام الدین اولیاء کے حال مین بیان کی جا چکی ہے، اس مخاصمت و عناد کی وجہ سے سلطان نے دوسرے مشائخ سے مراسم پیدا کئے، اس سلسلہ مین اس نے حضرت شیخ رکن الدین سے بھی اپنی گرویدگی اور شیفتگی کا اظہار کیا، اور آپ کو ملتان سے دہلی آنے کی دعوت دی، جب آپ دہلی تشریف لائے، اور سلطان سے ملنے گئے، تو اس نے پوچھا کہ دہلی مین سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا تھا، گو آپ کو حضرت سلطان الاولیاء سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا، تاہم آپ نے جواب دیا کہ اس نے جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے یعنی حضرت نظام الدین اولیاء نے،[1]

حضرت شیخ رکن الدین کا معمول تھا، کہ جب آپ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لیجاتے، تو راستہ مین اپنی سواری تخت رواں کو ٹھہرا کر آگے بڑھتے، تاکہ اہل ضرورت اپنی درخواستین سلطان کی خدمت مین پیش کرنے کے لئے ان کی سواری مین ڈال دین، بعض ضرورتمندون کی معروضات زبانی بھی سنتے تھے، شاہی محل کے پاس پہنچکر دو دروازون تک تخت رواں پر سوار رہتے، تیسرے دروازے کے قریب جہاں سلطان آپ کی تعظیم و استقبال کے لئے کھڑا نظر آتا، آپ اتر جاتے، سلطان بڑے ادب و تکریم سے دربار مین لیجا کر بٹھاتا، اور خود مؤدب دوزانو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھتا، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین شہر کے لوگون کی درخواستین سلطان کے سامنے پیش کرتے، وہ ہر ایک درخواست کو بغور پڑھتا، اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا، حضرت شیخ رکن الدین واپسی

۱؎ اخبار الاخیار ص ۲۷۰،

کے وقت تمام درخواستون کو ساتھ لیتے آتے،[1]

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت شیخ رکن الدین کے مراسم خوشگوار رہے، ۷۲۵ھ مین جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آ رہا تھا، تو حضرت شیخ رکن الدین دہلی سے افغان پور تک اس کے استقبال کو گئے تھے، شب کو سلطان کے ساتھ ماحضر تناول فرما رہے تھے، کہ نور باطن سے کشف ہوا، کہ جس عمارت مین وہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہین، وہ اچانک گر جائے گی، اس لئے آپ کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے، اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لئے فرمایا، مگر اس نے نکلنے مین دیر کی استنے مین عمارت گر پڑی، اور سلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہو گیا،[2]

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا، اس سے بھی حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات قائم رہے، اور آپ دہلی مین اس کے مہمان ہوئے، اسی زمانہ مین محبوب الٰہی نے رحلت فرمائی، جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدین نے پڑھائی، اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے،[3]

حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے دس سال کے بعد حضرت شیخ رکن الدین اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، وفات سے تین مہینے پہلے لوگون سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک کر دیا تھا، صرف نماز جماعت کے لئے حجرہ سے باہر آتے تھے، اور پھر لوٹ جاتے تھے، ۷۳۵ھ کے رجب کی سولھوین تاریخ جمعرات کے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت نے اپنے خادم خاص کو حجرہ کے اندر بلایا، اور اشارہ سے فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین کا سامان کرو، اور مغرب کی نماز کے لئے پیش امام کو حجرہ کے اندر ہی بلا لیا، اور نماز مغرب

۱؎ سیر العارفین ص ۵ و فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲،

۲؎ سیر العارفین جلد دوم ص ۶،

۳؎ اخبار الاخیار ص ۶۳،

کے بعد اوراد پڑھ رہے تھے، کہ اسی حالت مین سجدہ مین جان، جان آفرین کے سپرد کر دی،[1] آپ کا مرقد مبارک ملتان مین آپ کے جد امجد اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے،

حضرت شیخ رکن الدینؒ کا ایک بڑا وصف یہ بھی بتایا جاتا ہے، کہ ان کو نور باطن سے اپنے ملنے والون اور مریدون کے دلون کی باتون کا کشف ہو جاتا تھا، اسی لئے ابوالفتح کے لقب سے ملقب تھے، ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ مین اپنی تصنیف مجمع الاخبار[2] مین ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ ایک بار سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین لنگ سے پوچھا، کہ شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب لوگ ان کی قدمبوسی کے لئے جمع تھے، مین نے دل مین خیال کیا کہ شاید شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے، مین بھی عالم ہون، لیکن میری طرف کوئی توجہ نہین کرتا، مین نے سوچا کہ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت مین حاضر ہو کر پوچھون گا، کہ وضو مین کلی کرنے اور ناک مین پانی ڈالنے مین کیا حکمت ہے، رات کو جب سویا تو خواب مین دیکھا کہ شیخ مجھکو حلوا کھلا رہے ہین جس کی شیرینی دن تک زبان پر قائم رہی، مین نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے، تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کر سکتا ہے، صبح کو جب مین شیخ کی خدمت مین حاضر ہوا، تو مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا، کہ مین تمھارا ہی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی، اور فرمایا کہ نجاست دو قسم کی ہوتی ہے، نجاست جسم اور نجاست دل، نجاست جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے، مگر دل کی نجاست ناہموار آدمیون کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے، مگر دل کی نجاست آنکھون کے پانی سے دور ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ پانی مین تین صفتین ہین، رنگ، مزہ اور بو، اسی لئے شریعت نے وضو مین کلی کرنے اور ناک مین پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے، کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے اور ناک مین پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم

---

[1] سیر العارفین جلد دوم ص ۱۱۱، فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

[2] اس تصنیف کا ذکر اخبار الاخیار ص ۷۲ پر ہے،

ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت مین شیطان ظاہر نہین ہو سکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت مین بھی شیطان نمودار نہین ہو سکتا، کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدین کی زبان مبارک سے یہ باتین نکل رہی تھین اوس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا،[1]

حضرت شیخ رکن الدین کی کسی تصنیف کا کہین کوئی ذکر نہین، مگر مجمع الاخبار مین ان کے وصایا وملفوظات درج ہین جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار مین نقل کئے گئے ہین، مؤخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی صوفیانہ تعلیمات ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہین،

اپنے ایک مرید کو لکھتے ہین، کہ آدمی دو چیزون سے عبارت ہے، صورت اور صفت، ان مین سے قابل اعتنا آدمی کی صفت ہے، خدائے عزوجل صورتون کو نہین بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے، اگر کسی کا قلب اوصافِ ذمیمہ سے پُر ہے، تو اُس کا شمار بہائم مین ہے، اوصافِ ذمیمہ کو دور کرنے کے لئے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے، اور تزکیۂ نفس اس وقت تک حاصل نہین ہو سکتا، جب تک بندہ خدائے عزوجل سے التجا واستعانت نہ کرے، یعنی اس کی بارگاہ مین گڑگڑائے اور اس سے مدد طلب کرے، التجا واستعانت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فضل اور رحمت حاصل ہوتی ہے، فضل ورحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا مین اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہین، اور عظمتِ الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر مین ہیچ ہو جاتی ہے، دنیا کے پھندون مین پھنسے ہوئے لوگون کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے، اور جب اوس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتون کے اوصاف مین تبدیل ہو جاتے ہین، اور اس مین ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع بخل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیان پیدا

---

[1] بحوالہ اخبار الاخیار ص ۷۲،

ہو جاتی ہین، مگر یہ خوبیان عقبیٰ کے طلب کرنے والون کے لئے ہین، طالبانِ حق کے اوصاف اور بھی بلند ہین، وہان تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہین دیتی،

عبدیت مرمرا کہ نگیرم بجز تو دوست

شرطیست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہین، کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے ارشاد فرمایا کہ مین نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیرالمؤمنین بدی تو خیر آپ سے نہین ہوسکتی، مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرمارہے ہین، ارشاد فرمایا کہ حق جل وعلا کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کئے اپنے نفس کے لئے کئے، اور برے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے، پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی، وہ درحقیقت میرے لئے تھی، نہ کہ دوسرون کے لئے،

اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین لکھتے ہین کہ

ایک عاقل کو دنیا و آخرت کے لئے اتنی نصیحت کافی ہے، بزرگون نے کہا

سلاح این کس صلاح او بس است

یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے،

چو میدانی ہر آنچہ کاری دروے

آخر ہمہ حال بگو کاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً اور عملاً باز رکھنا چاہئے، لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، اس سے مراد ایسی مجلس ہے، جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کرکے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالون سے بھی احتراز ضروری ہے، بطال وہ لوگ ہین جو طالبِ حق نہین[1] (باقی)

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۲، ۶۳

عبدالواسع جبلی

از

جناب غلام مصطفیٰ خان صاحب لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی، برار،

۱۹۴۲ء سے معارف مین مین نے فارسی کے قدیم شعراء کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اسی کی یہ بھی ایک کڑی ہے، اس مین عبدالواسع جبلی کے حالات کو ان مجموعون مین سے اخذ کیا جاتا ہے، جو حبیب گنج، جامع مسجد بمبئی، جامعۂ عثمانیہ، وغیرہ کے کتب خانون مین محفوظ ہین[1]،

دولت شاہ (براؤن ایڈیشن ص ۳، ۴۴) لکھتا ہے کہ یہ شاعر غرجستان (بالائی مرغاب کی وادی) کے جبال سے آیا تھا، جیسا کہ اس کے تخلص جبلی سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اور وہ ہرات ہوتا ہوا غزنین پہنچا، جہان وہ قریب چار سال تک سلطان بہرام شاہ غزنوی (۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ) کی مدح سرائی کرتا رہا، لیکن اس شاعر کے کلام کے جتنے مجموعے ہمارے پیش نظر ہین، ان مین کوئی قصیدہ اس سلطان کی مدح مین نہین ملتا، اس لئے فی الحال ہم دولت شاہ کے اس قول کی تائید سے قاصر ہین، گو وہ لکھتا ہے کہ شاعر نے ایک قصیدہ جس کا مطلع ذیل مین درج کیا جاتا ہے، سنجر (م ۵۵۲ھ) کی مدح مین لکھا تھا جب کہ وہ بہرام شاہ کو تخت نشین کرانے کے لئے (۵۱۱ھ مین) غزنین آیا تھا،

زعدل کامل خسرو ذامن شامل سلطان تدرو و کبک و گور و مور در گشتند در گیہان[2]

---

[1] کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد کی نئی فہرست مین ایک مجموعۂ کلام کو دیوان جبلی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جو غلط ہے، مین نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حکیم قطران تبریزی کا دیوان ہے [2] پروفیسر براؤن (ج ۲ ص ۱۹۳) نے

یہ قصیدہ حبیب گنج کے مخطوطہ میں بھی موجود ہے، لیکن اس کی داخلی شہادت کوئی ایسی نہیں ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ وہ اسی موقع پر لکھا گیا تھا،

پھر تاریخ گزیدہ (حبیب گنج، رائل ایشیاٹک جرنل ۱۹۰۱ء ص ۵ براؤن ج ۲ ص ۴۴۳) سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ شاعر سنجر کا ہم عصر تھا، اور شروع میں ایک دہقان تھا، جب کہ اُس نے کپاس کے کھیت سے اونٹوں کو روکتے ہوئے اور بغیر کسی اور شخص کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے :۔

اشتر درازا گردنا، دانم چہ خواہی کردنا
گردن درازا کردہٗ پنبہ نہ خواہی خوردنا

اور سلطان نے یہ اشعار سُن کر جبلی کو اپنے ساتھ لے لیا، اور پڑھایا لکھایا، یہان تک کہ وہ اس درجہ تک پہنچ گیا کہ آج تک کوئی دوسرا شاعر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا،[1] اس قصہ کے مبالغہ یا حقیقت سے قطع نظر یہ اشعار اچھے مستقبل کے ضرور آئینہ دار ہیں، اور اُس موسیقیت آمیز کلام کا پیش خیمہ ہیں جو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) دولت شاہ (ص ۴۰) کے بیان سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے، کہ یہ قصیدہ جبلی نے ۱۱۳۵ء میں لکھا تھا، جب کہ سنجر نے بہرام شاہ پر حملہ کیا تھا، اور شاعر نے قصیدہ کہہ کر اس کو خوش کیا تھا، دولت شاہ کے الفاظ یہ ہیں، کہ

"چون سلطان سنجر بمدد و تقویت بہرام شاہ..... لشکر بغزنین کشید عبد الواسع این قصیدہ در مدح سلطان سنجر گفت"

اور یہ موقع ۵۱۰ھ / ۱۱۱۷ء کا تھا، ہان ۱۱۳۵ء میں ضرور سنجر حملہ آور ہوا تھا، لیکن اُس وقت جبلی نے نہیں، بلکہ فخر الدین محمد ابن محمود بن احمد نیشاپوری نے سنجر کو خوش کیا تھا، جیسا کہ لباب (ج ۱ ص ۱۸۲) سے معلوم ہوتا ہے، اس واقعہ کی تفصیل طبقات ناصری (راورٹی ص ۳۵۲) ابن الاثیر (ج ۱۱ ص ۲۰) وغیرہ میں دیکھیں،

اس شاعر کا طرۂ امتیاز ہے،

بہرحال اگر یہ اشعار نہیں تو ذیل کے اشعار ضرور قدیم ہیں، اور ۵۱۰ھ / ۱۱۱۶ء میں لکھے گئے ہیں، جب کہ بہرام شاہ کی مدد کے لئے سنجر کے ساتھ سیستان کا حاکم امیر ابو الفضل تاج الدین (م ۵۵۹ھ / ۱۱۶۴ء) اور اس کا بھائی فخر الدین بھی آیا تھا :۔

چہ جرم است این برآوردہ سراز دریای موج افگن بکوہ اندر دمان آتش بجر اندر کشان دامن
مصاف افروز عالم سوز شاہ نیمروز آن کس کہ در ملک ست کافی کف، وافی عہد صافی ظن
ملک بو الفضل نصر ابن خلف فرزانہ تاج الدین کہ بربایدہمی تاج از سر شیران شیر اوژن
بدانگہ کز سجستان شد سوی غزنین یکے لشکر ہمہ با دولت خسرو، ہمہ با صولت بہمن،
ملک تائید، دیو آہن، فلک تاثیر، کوہ آلت نہنگ آسیب، شیر آفت، ملک آشوب اہرمن افگن
دلیرانے کہ از گردون بنوک نیزہ سیارہ ربودندے چو گنجشکان بمنقار از زمین ارزن
مخالف جنگ را آمد برون با لشکرے دیگر چو شیران عرین پُر دل چو دیوان لعین پرفن
در آوردہ بہ پیش صف چون گردون ژندہ پیلانے کہ گردون شان بوقت کین نیارد گشت پیرامن
چنان رفت از کمان تو سوے دشمن ہمی ناوک کہ گاہ رجم سیارہ زگردون سوے اہرمن
چون شد راے ہمایونت قرین رایت اعلیٰ شد آثار اہل ظاہر، شد اسباب ظفر بیّن
نہ گشت از فر توجستہ ازین خونخوارگان یک کس نہ گشت از زخم تو رستہ ازین بیچارگان یک تن
درین رفعت پدید آمد کہ نادر د از بنی آدم چو اہل سیستان ہرگز بمردی ایزد ذو المن
خداوندا اگر ہستم بتخصیص از خدمت غایت ز جود عالم جانی زدو در گنبد توسن
مرا حجت است پیوستہ ثنات تو بہر موضع مراد ر داست ہموارہ دعات تو بہر مسکن[1]

---

[1] مونس الاحرار ص ۴۰، ۴۳۲، حبیب گنج، تاریخ ابو الخیر خانی (ق ۱۳۶، الف، بانگی پور) میں کچھ اشعار خواجہ صاعد

آخری دو شعر واضح کرتے ہین کہ شاعر اس وقت اپنے ممدوح تاج الدین کے دربار سے دور تھا، یعنی ۱۱۱۵ھ مین غائبانہ مدح کر رہا تھا، اب اگر دولت شاہ کے اس قول کی تائید کرنی ہو کہ شاعر اس وقت غزنین مین تھا، تو یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس نے تاج الدین کے واپس ہو جانے پر غزنین مین یہ قصیدہ لکھا ہوگا، بہر حال اس مین کوئی شک نہین، کہ شاعر اس کی تخت نشینی ہی سے اس کے دربار سے وابستہ تھا، ایک قصیدے کا مطلع ہے،

آمد از اجداد ماضی ملک را نعم الخلف   میر تاج الدین ملک بوالفضل نصر ابن خلف [3]

اسی امیر کے وزیر جمال الدین علی بن اسعد (جس کے متعلق تاریخ خاموش ہے) کی مدح مین یہ قصیدہ لکھا گیا ہوگا :-

ای ستودہ خصالے کہ کردگار قدیم   نیافرید ترا در فنون فضل نظیر
سر علا و سعادت علی بن اسعد   جمال دین کہ جہان از جمال تست منیر
ایا بقوت تو قوام دین رسول   ایا بتربیت تو نظام ملک امیر [4]

اور امیر تاج الدین کے بھائی فخر الدین کی مدح مین یہ قصیدہ لکھا تھا :-

میرے کہ پادشاہ جہان را برادر ست   دایم زہیبتش دل دشمن برآذر ست
صدرے کہ رای روشن و طبع کریم او   چون آسمان بلند و چو دریا توانگر ست
فرست دولت وے و ایام خاتم ست   جان ست سیرت وے و اسلام پیکر ست
خشمش بگاہ کینہ و خلقش بوقت مہر   چون آتش جہنم و چون آب کوثر ست
امروز حاضر ست درین بزم گاہ تو   ہر جوہرے کہ ساختہ رجاء گوہر ست

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مستوفی سیستانی بھی تھے ہین جو اس موقع پر کہے گئے تھے، اس کا تذکرہ ہم نے معارف دسمبر ۱۹۴۱ء مین بھی کیا ہے [3] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی [4] مخطوطہ حبیب گنج، قصائد جبلی

مداح خاص تو جبلی را بنازم تو   اشعار بے نہایت و الطاف بے مرست
قلمش ز خدمت تو و طبعش ز مدح تو   چون آسمان اعظم و دریای اخضر ست [1]

پانچوین شعر سے معلوم ہوتا ہے، کہ شاعر یہ قصیدہ پیش کرتے وقت ممدوح کے دربار مین حاضر تھا، اور وہ زمانہ ۱۱۱۵ھ کے پہلے ہی ہوگا، کیونکہ اس سال کے قریب وہ عراق مین تھا، جہان وہ سلطان محمد بن ملک شاہ کے انتقال پر اس کے لڑکے سلجوق شاہ کی مدح اس طرح لکھ رہا تھا :-

جاودان چون خضر ماند زندہ نام آن پدر   کز پس وے چون ملک سلجوق شہ ماند پسر
ز آسمان دین اگر تاقب شہابے شد جدا   ہست گردون ممالک را جلال الدین قمر
گر ز دیدار پدر محروم گرد اور اخداے   شہریار مشرق و مغرب بس استاد ویدر
خسرو کو را ملک شاہ ست و سنجر جد و عم   در ہمہ عالم کہ دارد زین بزرگی بیشتر
بر جبین وز مردمی و جوان مردی نشان   در نگین او ز پیروزی و بہروزی اثر
گرچہ دارد سال اندک ہست چون اسلاف خویش   وارث علم علیؓ و باعث عدل عمرؓ
کوہ با نعل سمند او نہ باشد مستقر   چرخ با رای بلند او نماید مختصر
طلجار آزادگان ست از کریمی و سخا   مفخر شہزادگان است از بزرگی و ہنر [2]

شروع کے اشعار مین شاعر اپنے ممدوح کے مرحوم والد کو یاد کرتا ہے اور پھر تسلی دیتا ہے کہ سنجر جیسا چچا اس کے لئے پشت و پناہ ہے، اچھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سلجوق شاہ نو عمر تھا، اس کے بعد شاعر ایک ممدوح قطب الملوک فرخ شاہ کے دربار سے وابستہ ہوتا ہے، جو تمراک (تیراک ؟) بن اتابک کی نسل سے تھا، اس کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہین ہوئین صرف اخبار الدولۃ السلجوقیۃ (ص ۵۶-۵۷)

[1] مخطوطہ جامعہ عثمانیہ نمبر ۸۰۷، ق ۳۰۳ الف،
[2] مخطوطہ حبیب گنج، قصائد جبلی،

میں ایک نام تیراک (؟) بن امیر فرخ شاہ ملتا ہے، جو ۴۶۶ھ/۱۰۷۴ء میں ملک شاہ سلجوقی (م ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) کے لئے کرمانی امیر قاورد کے خلاف لڑا تھا، لیکن اُس کے مستقر[1] اور خاندان کے متعلق بھی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی. ان دونوں شعروں سے اس کے نام اور نسل پر کچھ روشنی پڑتی ہے:

تراست غمزہ خون ریز و زلف عنبر بیز — چو تیغ و خامۂ قطب الملوک فرخ شاہ

جمالِ نسلِ تمراک (؟) بن آتابک کوست — جہانِ حشمت و گردونِ فضل و کعبۂ جاہ[2]

یہان قطب الملوک فرخ شاہ کو "جمال نسل تیراک (؟)" کہا گیا ہے، ایک دوسرے قصیدے میں صرف نام ملتا ہے:-

ہمیشہ قاعدۂ دین کردگار جلیل — ممہدست بہ شمشیر شہریار اصیل

سراجِ امت، قطب الملوک فرخ شاہ — کہ ذوالجلال بہ عدلش نیافرید عدیل

ایا شمائل تو بر معالیٔ تو گواہ — دیا فضائلِ تو بر معانی تو دلیل[3]

پھر ہمارا شاعر خراسان کے پایۂ تخت مرو کی طرف رخ کرتا ہے، اور یہ قصیدہ لکھتا ہے،

ایا بودہ حمّالِ تختِ سلیمان — بہ تیزی چو وہم و بہ باکی چو ایمان

زمن چون سلامے رسانی بہ دلبر — بہ من چون پیامے گذاری ز جانان

طمع دارم از تو کہ گر ہیچ باشد — ترا راہ بر جانبِ مرو شہجان

دعا و زمین بوسی و خدمتِ من — رسانی بہ صدرِ سپہدار ایران

ایا در معالیت اوہام عاجز — ایا در معانیت افہام حیران

مرا گرچہ ہستند پیوستہ طالب — ملوک و سلاطینِ ایران و توران

---

[1] اخبار الدولۃ السلجوقیہ کے اس بیان سے صرف اتنا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ خراسان میں کسی جگہ تھا۔ [2] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی [3] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی ایا بابا. اخفر میں بھی یہ قصیدہ ملتا ہے لیکن اس میں شروع کے اہم اشعار نہیں ہیں۔

وگرچند دارند چون زر عزیزم — صدورِ عراق و سرانِ خراسان

نہ تن دادہ ام در ثنا گفتنِ کس — نہ دل بستہ ام در طلبِ ون نان

کنون چون در آمد مہِ روزہ بر کن — ز طاعات نامہ ز خیرات دیوان

برو داد آن را بجشنِ عبادت — چو عید آید از خرمی داد بستان

الا بر سرت باد جوارہ مغفر — ظفر بر تنت باد پیوستہ تابان

جہانت مسخر، زمانت متابع — سپہرت مساعد، خدایت نگہبان[1]

چوتھے شعر میں ممدوح کو "صدر سپہدار ایران" کہا ہے، جو امیر نظام الدین محمود کاشانی ہوگا، کیونکہ ایک دوسرے قصیدے میں اسی "سپہدار" کے متعلق صاف بیان ہے،

الا اے ابر نوروزی شبا روزے بر من آئی — نہ از گریہ بیاسائی، نہ از نالہ فرو مانی

زباران ہر زمان صحرا کنی چون لؤلؤ لالا — تو گوئی دست مولانا نظام الدین یزدانی

جوان بختے جہانگیرے قضا تیغے قدر تیرے — سپہدار اجل، امیر اجل محمود کاشانی

سرافرازے کہ در عالم نبودہ ست و نباشد ہم — ز میزان بنی آدم بہ جود او کسے ثانی[2]

یہ نظام الدین محمود کاشانی، سلجوقی فوج کا سپہدار تھا، جو ۵۳۶ھ/۱۱۴۱ء میں سنجر کی طرف سے قرلق ترکوں کے امیر گور خان کے خلاف لڑنے میں قطوان میں مارا گیا تھا[3]،

سنجر کی مدح میں بھی کئی قصیدے ملتے ہیں، ایک کی زمین یہ ہے،

شہنشاہِ سلاطین مشرق و مغرب معز الدین — ملوک دین و الدنیا خداوندِ جہان سنجر[4]

---

[1] مخطوطہ عثمانیہ نمبر ۷۰، ق ۲۲۳ ب [2] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی [3] اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۹۴، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے (ایضاً ص ۲۱۲) اس محمود کاشانی کو اس کے ہم نام سے مختلف قرار دیا ہے، جو سنجر کا حاجب تھا، [4] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی، سنجر کا لقب اس کے بھائی محمد (م ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء) کے عہد تک ناصر الدین تھا، بعد میں معز الدین ہوا، ملاحظہ ہو ابن خلدون (ترجمہ ج ۹ ص ۵۳)

ایک اور قصیدہ میں سنجر کی مدح کے ساتھ ساتھ اس کے ایک امیر مجد الدین ابو القاسم علی بن جعفر الموسوی (ممدوح ادیب صابر) کی مدح بھی کرتا ہے:-

خداوندے کہ در تیرش فشاند نسر طائر پر　　شہنشاہے کہ بر تاجش فشاند چرخ دار خور؟

سلاطین را بحق وارث معز الدین ابو الحارث　　شہ آفاق و برہان امیر المومنین سنجر

سلاطین و خلائق را بد و فخر است ہموارہ　　چو سادات و اکابر را بہ مجد دین پیغمبر[ص]

رئیس مشرق و مغرب ابو القاسم علی صدرے　　کہ چون ہم کنیت و ہم نام خویش آمد بہ فضل و فر

امیر سادۂ عالم، چراغ گوہر آدم[ع]　　مشیر خسرو اعظم، جمال دودۂ جعفر،

بزرگی کز بیان و طبع و دست مدحش افزاشہ　　قلم حرمت، کرم جاری، سخا رونق، سخن مفخر،[لہ]

یہ شخص ادیب صابر (م ۵۴۶ھ / ۱۱۵۱ء) کا خاص ممدوح تھا، جس کے متعلق ہم کچھ تفصیل معارف ستمبر ۱۹۴۲ء میں دے چکے ہیں، ادیب صابر نے ایک جگہ اُسے جیحون کے قریب کسی قلعہ سے متعلق (شعر ۵) کہا ہے،

گر ہمی خواہی کہ قدر ماہ و مہر افزون کنی　　آسمان و بوستان از بزم مجد الدین گزین

صدر سادہ سید مشرق ابو القاسم علی　　پروریدہ در معالی، آفریدہ ز آفرین

آن خداوندے کہ اندر علم و حلم و بذل و فضل　　مقتدائے عالمش کردہ ست رب العالمین

آفتاب آل پیغمبر تو ئی کز تربیت　　مشرق و مغرب بنور و زمت و نعمت عجین

قلعہ نیداوست و جیحون و دجلہ و قصر تو کرخ　　تو بحرمت اہل ایمان را امیر المومنین

سنت و تطہیر شمس الدین کہ فرمودہ ئی　　شد بناے عشرت و نزہت چو عزم تو متین

تا معونت یافت این سنت زمین پیر تو　　خانہا خلد برین شد، بادہا ماء معین[مہ]

ل مخطوطہ جامع مسجد بمبئی مہ مونس الاحرار ص ۶۵۳، ۶۵۴، حبیب گنج لیکن ان اشعار سے شمس الدین کے متعلق کوئی

غالباً اسی مجد الدین ابو القاسم کا نائب عبد الصمد تھا جس کی مدح میں جبلی نے متعدد قصیدے لکھے تھے، ایک قصیدے میں اس کو نائب وزیر عجم (شعر ۲) کہا ہے،

ایا اساس شریعت بہ عون تو محکم　　ایا لباس وزارت بہ عون تو معلم

عزیز جمع ملوک اختیار شاہ جہان　　معین دین عرب، نائب وزیر عجم

ابو المعالی عبد الصمد کہ فخر کند　　ہمی بہ ذات شریف تو در بہشت آدم[لہ]

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خراسان ہی میں ہے،

ایا بزرگی کاندر جلالت و رفعت　　چو رائے و ہمت تو آفتاب و کیوان نیست

معین دین و عزیز ملوک کو جز تو؟　　سزاے این دو لقب خواجہ در خراسان نیست

ز خواجگان بہ کفایت عدیل نیست ترا　　بدان صفت کہ ز شاہان نظیر سلطان نیست

تو ئی کہ در عرب و در عجم چو تو یک تن　　ہنر پرست و سخی گسترہ و سخن دان نیست[لہ]

دوسرے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خراسان میں تھا، اور تیسرے شعر میں سنجر کی طرف اشارہ ہوگا، ایک دوسرے قصیدے میں جو غالباً ازرقی کی تقلید میں ہے[مہ] ہمارے شاعر جبلی نے اسی ممدوح کو (شعر ۲) سرخس سے متعلق کہا ہے،

ز عید داد خبر خلق را طلوع ہلال　　بہ آخر رمضان و بہ اول شوال

نصیر دین و عزیز ملوک کو راہست　　فلک مطیع و جہان بندہ و زمانہ عیال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) معلومات حاصل نہیں ہیں، جبلی نے ادیب صابر کی بھی مدح کی ہے (جامعہ عثمانیہ نمبر ۸۰، ورق ۱۲۵ الف)

اشعار صابر بن سماعیل ملک را　　چون برج بر ستارۂ زاہر کند ہمی

ہست او امیر شعرا و زبان خویش　　ہر دم تر از معجزہ ظاہر کند ہمی

ل مخطوطہ حبیب گنج قصائد جبلی لہ ایضاً مہ ملاحظہ ہو لباب الالباب ج ۲ ص ۹۹-۱۰۴،

ابوالمعالی عبدالصمد کہ نماید — چہار چیزش ہرگز ز چار چیز ملال

بہ نفس او ز تواضع ز دست او ز سخا — بہ طبع او ز مروت ز سمع او ز سوال

گرفت صدر سیادت بہ عون او رونق — رسید قدر سیادت ز جاہ او بہ کمال

شنیدہ بودم ازین پیشتر کہ راہ سخن — بود نشیمن آفات و مرکز اہوال

طریقہاش بہ باریکی پل محشر — مضیقہاش بہ تاریکی دل دجال

چو در مصاحبت تو بدیدم آن رہ را — مرا معاینہ شد کان حدیث بود محال

از آن قبل کہ دران رہ بفر تو گفتی — کہ روضہاے جنان اند تودہاے رمال

ہمی زخار بفر تو دست برگ سمن — ہمی زخارہ بہ یمن تو راہ آب زلال[1]

اس ممدوح کی تعریف مین متعدد قصیدے ہین جس سے ظاہر ہے کہ شاعر اُس کے دربار سے عرصہ تک وابستہ رہا ہوگا، کچھ اور اہم اشعار ایک قصیدے سے نقل کیے جاتے ہین،

اے خواب من ربودہ یاقوت پر شکر — دست تا بمن فزودہ بہار دست دل شکر

گہ بر رخ تو از کف موسیٰ بود نشان — گہ در لب تو از دم عیسیٰ بود اثر

این عین زندگانی و آن اصل روشنی — چون راے خوب و لفظ خوش صدر نامور

عبدالصمد عزیز ملوک و نصیر دین — کز عقل ہست خاتمہ نسل بو البشر

نور دو سرور چشم و دل حمزہ و علی — آن مایہ بزرگی و پیرایہ ہنر[2]

آخری شعر مین ممدوح کو حضرت امیر حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے "چشم و دل" کا "نور دو سرور" کہا ہے، جو شاید بہادری کی وجہ سے کہا ہو یا اس لئے کہ وہ ہاشمی ہو، لیکن غالباً اسی ممدوح کو سید حسن

۱ مخطوطہ حبیب گنج، لباب ج ۲ ص ۱۰۰، ۱۰۱ مین بھی یہ قصیدہ ہے، لیکن وہ مذکورہ بالا قصیدے کے دوسرے شعر پر ختم ہوجاتا ہے ۲ مخطوطہ جامع مسجد بمبئی آخری دو اہم شعرون کے علاوہ بقیہ اشعار لباب جلد ۲ ص ۱۰۱، ۱۰۲ مین بھی ہین،

غزنوی (م ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء) نے عباسی کہا ہے،

گر نتیجہ ابراست بر خلاف قیاس — نتیجہ آمد بحرے ز گوہر عباس

ابوالمحاسن عبدالصمد کہ بخت ابد — بناے دولت او را قوی نہاد اساس

بکن ز فضل بزرگی نہ ابن عم توام — ز مقتضاے کرم حق ابن عم بشناس[1]

دوسرے شعر مین "ابوالمحاسن" کنیت نہین ہے بلکہ مذکورہ بالا قصیدون کے "ابوالمعالی" کی جگہ ایک لقب ہے، تیسرے شعر مین سید حسن نے اپنی سیادت کا رشتہ جتایا ہے، عمادی شہریاری (م ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء) نے بھی غالباً اسی کی مدح مین لکھا ہے،

اے دست تو جود را بہانہ — پاے تو وجود را نشانہ

عبدالصمد اکرم الخلائق — سرمایۂ بخت جاودانہ

آنی کہ بہ ہمت تو آزاد است — سیمرغ مکارم آشیانہ[2]

میرا خیال ہے کہ جبلی کا یہ ممدوح مشرقی خراسان مین ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء کے پہلے رہا ہوگا، کیونکہ اس سال کے قریب جیسا کہ ہم معارف (اکتوبر ۱۹۴۲ء ص ۲۸۴، ۲۹۰) مین لکھ چکے ہین، وہ ضیاء الدین مودود احمد عصمی یعنی ناصر الدین طاہر بن فخر الملک بن نظام الملک (م ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء) کے نائب[3] کی مدح

۱ مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۱۳ و ۲ مخطوطہ علی گڈھ ۳ یقین کے ساتھ نہین کہا جاسکتا کہ عبدالصمد کا صحیح زمانہ اور مستقل مستقر کہان تھا، بلکہ ایک جگہ جبلی نے اُسے کسی خاقان کے دربار سے وابستہ کہا ہے،

آن دین یزدان را نصیر — آن ملک خاقان را بصیر

اگر خاقان سے مراد کوئی ترکی خاقان ہے تو وہ محمود خان خواہرزادۂ سنجر ہوگا، جو بعد مین سنجر کا جانشین ہوا یا ممکن ہے کہ عزیز طغرائی ہو کیونکہ عزیز الملوک لقب کئی جگہ اوپر آچکا ہے محمود خان کے سفیر عزیز طغرائی کے متعلق ترکستان بارتھولڈ ص ۳۲۳ کلیات انوری ص ۸، ۷۳ اور تاریخ ابن اسفندیار ص ۶۱، ۶۲، ملاحظہ ہو ۴ کلیات انوری ص ۲۸۰

مین لکھ رہا تھا،

اے بزرگے کہ ذوالجلال بجود   از عدم نا آورد چو او موجود

صدر کافی موید اسلام   بالمعالی ضیاء دین مودود[1]

اور یہ ممدوح غزنین بھی رہ چکا ہے، جیسا کہ جبلی کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے،

سپاس از ایزد کامد بشارت غزنین   بصحت تن صدر اجل ضیاء الدین

ابوالمعالی مودود احمد عصمی   کہ وقت خشم چو نار است گاہ حلم چو طین

موید کہ ز خلق و ز قدر او گویند   شرف سپہر اثیر و لطیف بہشت برین

پہلے شعر سے واضح ہے کہ ممدوح اس وقت غزنین مین تھا، اور وہ ضرور کسی بڑے عہدے پر فائز رہا ہوگا، اسی لئے شاعر نے مدح کی ہے،

جبلی نے رشید الدین وطواط (م ۵۷۳ھ / ۱۱۷۷ع) کی مدح مین بھی کچھ اشعار لکھے تھے، جو یہان نقل کئے جاتے ہین:-

عالم علم رشید الدین در باغ خرد   آن درخت ست کہ پیوستہ ہنر بار دہد

گرچہ در گفتن اشعار چنان منفرد است   کہ ہمہ کس بہ بزرگی وے اقرار دہد

از قبل پنجہ (؟) کہ در انواع علوم است او را   خاطر خویش نہ زیبد کہ بہ اشعار دہد

گرچہ کس نیست (؟) بہ احرار و سلاطین ملوک   کہ مر او را نہ ہمہ خدمت بسیار دہد

خلعت آنست کہ او را سخن خویش ہمی   بہ ملوک و بہ سلاطین و بہ احرار دہد[2]

جبلی کا آخری ممدوح مجد الدین محمد بن علی اشعث (حاکم مازندران) رہا ہوگا، جس کی مدح خاقانی

[1] مخطوطہ حبیب گنج [2] ایضاً [3] ایضاً وطواط نے ضیاء الدین مجی کی مدح کی ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ حدائق السحر عباس اقبال، طہران، ۱۳۰۸)

(براؤن، ج ۲ ص ۱۵۰) نے بھی کی ہے، جبلی کا ایک قصیدہ یہ ہے،

چند باشم در دیار و منزل بعد و رباب   روز و شب نالندہ گریندہ چون عذرباب

دلبرے کز عارض او آب رو گل برفت   وز فراق روے او شد دیدہ من پر گلاب

حلقہ ہاے زلف او ہستند چون اہرمنان   بر ہم افتادہ ز عکس آن کمان چون ثعاب

بر مثال دشمنان منہزم روز مصاف   از سنان مجد دین ایزد مالک رقاب

شاہ فرزانہ محمد کز ملوک او را خدای   چون محمد را ز جمع انبیا کرد انتخاب

خسرو مازندران آن کس کہ رسم و رہ اوست   ساعد دین را سوار و گردن حق را سحاب

دست گوہر بار او شد مایہ رزق بشر   تیغ گوہر بار او شد عمدہ قوت کلاب[1]

اس کی مدح مین ایک اور قصیدہ یہ ہے،

منظفرے کہ معین است کردگار او را   مؤیدے کہ مطیع ست روزگار او را

سراج دین محمد، محمد ابن علی   کہ در محامد اخلاق نیست یار او را

ازان گزیدہ شاہان عالم ست کہ ہست   نہاد خوب و نژاد بزرگوار او را[2]

لیکن خود اس ممدوح کے متعلق ابن اسفندیار (براؤن) اور مازندران (رابینو) جیسی کتابون مین نام کے سوا کوئی تفصیل نہین ملتی، اس لئے ہم فی الحال یہ بتانے سے قاصر ہین کہ جبلی کا سال وفات ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ع جو انڈیا آفس کیٹلاگ (جلد ۱، ص ۵۹۲ مین) ملتا ہے کہان تک صحیح ہے۔

[1] مخطوطہ جامعہ عثمانیہ نمبر ۸۰، ق ۲۲۹، الف، لیکن پانچوان شعر جو اہم ہے وہ اس مین نہین ہے بلکہ حبیب گنج کے مجموعہ قصائد نمبر ۲۹/۴ ص ۱۰۲ مین ملتا ہے [2] مخطوطہ جامعہ عثمانیہ ایضاً ق ۲۲۸، الف، جبلی نے فارسی کے کلام کے علاوہ عربی مین بھی لکھا ہے، لباب ج ۲ ص ۱۰۸-۱۱۰ مین اس کے دو قصیدے مع مجوب مین ملتے ہین،

اسلامی نظریۂ سیاست

از

از مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۲)

موجودہ طرز جمہوریت کی حد کمال

سہولت فہم اور توضیح مطالب کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حال کے تصور جمہوریت کے چند اہم اجزا پر تبصرہ کر دیا جائے،

موجودہ تصور جمہوریت (Democracy) سے مراد ایک ایسا نظام حکومت ہے جس مین آمریت مطلقہ اور اقتدار ذاتی کی جگہ قوت واقتدار کے تمام مناصب ملک کی عوامی جماعتون کو حاصل ہون، حکومت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ادارے مین وراثت وجانشینی اور ولی عہدی کے قدیم دقیانوسی تصور کو قطعاً کوئی دخل نہ ہو، بلکہ نیابت واقتدار کا اصل مبنی جماعتون کے قومی و وطنی زاویۂ فکر، پارٹی نظریے اور جماعتی کردار ہون، یعنی جمہوری طرز حکومت طریقۂ انتخاب پر مبنی ہے، اور ملک کے عوام کو حق حاصل ہے، کہ وہ ملک کی جماعتون مین سے جس جماعت کے قومی وملکی پروگرام کو قومیت کے نقطۂ نظر سے بہتر خیال کرتے ہون، اس کو اپنے ووٹون سے حکومت واقتدار کی گدی پر بٹھا دین، گویا اصل قوت عوام کے ہاتھ مین ہو، اور وہ اپنی مرضی سے اس کو استعمال کر سکین اور اپنی صوابدید کے مطابق مجلس تشریعی (لیجسلیٹیو اسمبلی) اور مجلس تنفیذی (اگزیکیٹو کونسل) مین اپنے نمایندے انتخاب عام کے طریق پر بھیج سکین،

نیز اس نظام حکومت مین ملک کے تمام اصل باشندے ہر قسم کے اقتصادی، معاشرتی، اور شہری حقوق مین مساوی الدرجہ تصور کئے جائین، ہر ایک باشندۂ ملک کو حق حاصل ہو کہ وہ اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق شہری اور ملکی معاملات مین حصہ دار بن سکے، اور اس کی ترقی کے راستے مین کوئی امر مانع نہ ہو، صنعت وتجارت اور حیات عامہ کے تمام وسائل کے اخذ واختیار مین اوس کو پورا پورا حق حاصل ہو، ہر شہری شائستگی طور پر زندگی بسر کر سکے، سیاسی اعتبار سے اس کو بشرط قابلیت بڑے سے بڑے عہدۂ حکومت کے حصول مین کوئی رکاوٹ نہ ہو، ان امور کو "حریت اجتماع" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،

حریت فکر وخیال اور صحافت پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ ہو، بلکہ ہر باشندۂ ملک کو تقریر وتحریر کی پوری آزادی حاصل ہو، ملک کے ہر فرد کو حیات عامہ کے تمام مسائل پر رائے زنی اور تنقید کرنے کا حق حاصل ہو، اس کو حریت فکر یا حریت نشر سے تعبیر کیا جاتا ہے،

ملکی خزانہ کسی شخص یا اشخاص کی ملکیت نہ ہو، بلکہ عوام کی ملک ہو، اس کا صرف امن ودفاع (یعنی) نظم ونسق اور عوام کی فلاح وبہبود کے لئے ہونا چاہئے، یہ ہین وہ بنیادی اہم نکات جن پر جمہوریت کا محل تعمیر ہوا ہے۔

انقلابی جد وجہد کی ابتدا

اٹھارہوین صدی کے اواخر اور انیسوین صدی کی ابتدا مین بعض مغربی ممالک مین پہلے پہل حریت وآزادی کی شعاع نمودار ہوئی جو آناً فاناً تمام کرۂ ارضی مین پھیل گئی اس کا سبب فاقہ کش عوام کی بے چینی ان کی مظلومیت اور سرمایہ دارانہ طرز حکومت کا جبر وتشدد تھا، مخلوق خدا ظالم بادشاہون کے پیہم مظالم سے تنگ آچکی تھی، اور عوام کے دلون مین احساس خودی پیدا ہو گیا تھا اور وہ یہ محسوس کرنے لگ گئے تھے کہ یہ کوئی انصاف نہین کہ چند اشخاص کروڑہا انسانون کی قسمت کے مالک بن جائین، ان کے سارے وسائل معیشت پر غاصبانہ قبضہ کر کے خود عیش کی زندگی بسر کرین، اور ان کو دائمی غلامی کی زنجیرون مین جکڑے رکھین، خود سر بفلک عمارتون مین ریشمی گدون پر آرام کرین، اور فاقہ کش مزدور کے بچون کو جھونپڑی بھی نصیب ہو،

غرض یہ وہ اسباب تھے، جن کی بنا پر عوام بے قرار تھے، اور رفتہ رفتہ اُس نے ایک آتشگیر مادہ کی شکل اختیار کرلی، اور بالآخر وہ پھٹکر انقلابِ فرانس کی شکل مین نمودار ہوا، یہ انقلاب بظاہر دنیا کی ظالمانہ آمریتون کے نے تازیانۂ عبرت تھا، اور غریب فاقہ کشون کے لئے پیام امن وراحت!

اٹھارہوین صدی کے عشرۂ اخیر مین فرانس کے حریت پسندون نے آزادی وحریت اور اخوت ومساوات کا جھنڈا بلند کیا، اور مسلسل تگ ودو، جانکاہ مصائب اور صبر آزما جد وجہد کے بعد ان کو کامیابی نصیب ہوئی، فرانس کی جمعیتِ وطنیہ نے ایک انقلابی دستور "منشورِ حریت" کے نام سے جاری کیا جس کے بنیادی اجزاء اس سے قبل ذکر ہو چکے ہین،

قدرتی طور پر انقلابِ فرانس کا اثر دوسرے ممالک پر بھی پڑا، اور دوسرے چھوٹے بڑے ملکون مین بھی اسی قسم کی تحریکین اٹھین، امریکہ کے باشندون نے بھی غلامی کے خلاف زبردست جد وجہد کی اور بالآخر اس کو کامیابی حاصل ہوئی، اور کچھ عرصہ کے بعد روس مین اسی جذبۂ آزادی نے ایک جدید شکل اختیار کرلی، کارل مارکس اور لینن کی جد وجہد نے عوامی حلقون مین آزادی ومساوات کی نئی روح پھونک دی، اور چند دنون مین زارِ روس کی ظالمانہ شاہنشاہیت کا تختہ الٹ کر رکھدیا، اور اشتراکی نظامِ حکومت کی بنیاد ڈالی گئی، روس کے اس انقلاب نے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ممالک کے عوامی طبقون کو اپنی جانب متوجہ کرلیا، اور کم وبیش ہر ملک مین سیاسی بیداری اور زندگی پیدا ہونے لگی، اور غربت زدہ عوام مین تنظیمی شعور رونما ہونے لگا، اور ملوکیت پرست طبقے اپنے وقار شاہی کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگے، بالآخر متعدد چھوٹے ممالک مین ملوکیت کو انقلاب پسندون کے سامنے جھکنا پڑا، اور آج دنیا کے بیشتر ممالک مین اشتراکی نظریۂ سیاست کا اثر ونفوذ بڑھ رہا ہے، بالخصوص گذشتہ عالمگیر جنگ مین سویٹ یونین کو جہان مادی طور پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، وہان نظریاتی اعتبار سے وہ اس سے بھی زیادہ کامیاب رہی، عربی ممالک مین بھی یہ زہر نہایت سرعت سے پھیل رہا ہے،

اگر موثر طریقہ پر اس کا مقابلہ نہ کیا گیا تو تھوڑے عرصہ مین یہ تحریک عربون کے جسم کو مفلوج کردیگی، اور صرف اسلامی نظریۂ سیاست واجتماع ہی اس زہر کا تریاق ہوسکتا ہے،

موجودہ طرزِ جمہوریت کے اہم نقائص

حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کو جس زندگی کی تلاش وجستجو ہے، اس سے وہ اب تک محروم ہے، جس آخری منزل تک اسے پہنچنا ہے وہ ابھی کوسون دور ہے، اور حیاتِ انسانی کا اصل مرض اب تک اس کے رگ وریشہ مین سرایت کئے ہوے ہے، خوش فہم اور غلط کار انسان لاکھ کہین کہ ہم نے انسانیت کے دکھ کا علاج پالیا ہے، مگر درحقیقت وہ جس کو علاج سمجھ رہے ہین، خود ایک مستقل مرض ہے، اور جس کو وہ مسیحا تصور کر رہے ہین، وہ فرشتۂ موت ہے،

موجودہ نظامِ جمہوریت مین اس قدر نقائص ہین، کہ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے، تو اس مین اور آمریت وملوکیت مین کوئی نمایان فرق باقی نہین رہتا، زیادہ سے زیادہ بس لفظ کا فرق نظر آسکتا ہے، یعنی ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہین،

(۱) موجودہ نظامِ سیاست کی بنیاد ہی اس غیر فطری تصور پر قائم ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسانون پر، یا سب سے بڑی جماعت (مجارٹی) کو کمزور اور چھوٹی جماعتون (مناریٹیز) پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے، اور یہی وہ بنیادی نقص ہے جو انسانی سوسائٹی کے تمام مفاسد کا سرچشمہ ہے، انسانی فطرت اس سے ابا کرتی ہے، کہ وہ اپنی ہی جنس کی غلامی اختیار کرے، خواہ یہ حکومت اور تسلط استبدادِ شخصی کی صورت مین ہو یا جمہوریت کے لباس مین،

(۲) ایک صالح اور مہذب نظامِ حکومت وہی ہوسکتا ہے، جس کی بنیاد اخلاقی اور مابعد الطبیعی تصورات پر قائم ہو کیونکہ یہی چیز حیاتِ انسانی کے لئے اصل روح کی حیثیت رکھتی ہے، اور اسی سے زندگی کے منتشر اجزاء مین ربط ونظم پیدا ہوسکتا ہے، اور عالمگیر بے چینی واضطراب کو دور کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ اور کسی نظام کے ذریعہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہین ہوسکتا،

زمانۂ حال کے سیاسی نظریات مین روس کا اشتراکی نظریۂ سیاست سب سے زیادہ ترقی یافتہ خیال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس مین بہت حد تک عوام کے مطالبات کی تسکین کا سامان ہے، مگر اس مین بھی یہ نقص بدرجۂ اتم موجود ہے، کہ اس کے فلسفۂ فکر و عمل کا محور محض چند مادی اغراض ہین، بقول علامۂ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کی جد و جہد لا ہی تک پہنچ کر رک گئی ہے، اور الّا کی منزل کا ان کو سراغ تک نہین مل سکا،

کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ   لا سلاطین لا کلیسا لا اِلٰہ
فکر او در تند بادِ لا بماند   مرکبِ خود را سوے الّا نراند

چونکہ دنیا کے سیاسی نظامات مین اخلاقی اقدار کو کوئی جگہ نہین دی گئی، اس لئے موجودہ جمہوریت مین منتخب ہونے والے نمایندون کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین، اور آج نمایندگی کا اہل اس شخص کو تصور کیا جاسکتا ہے، جو سب سے زیادہ زمانہ ساز، ڈپلومیٹک اور چرب زبان ہو، اگرچہ اس کا اخلاق اور کیرکٹر کتنا ہی گرا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ ایسے نمایندون سے انسانیت کے اہم مسائل کسی طرح حل نہین ہو سکتے ع

کہ از مغز دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

(۳) جمہوری آئین کو وطنیت و قومیت (نیشنلزم) کی حدود مین مقید کر دیا گیا ہے، اور اسکو ہمہ گیر (یونیورسل) حیثیت حاصل نہین، اس لئے اگر وہ مفید ہو سکتا ہے تو صرف اپنے ملک کے اصل باشندون کے لئے، آبادی کا وہ حصہ جو غیر ملکی کہلاتا ہے، اس کی برکات سے محروم رہتا ہے، مثلاً امریکہ مین یہودی یا افریقی افراد کو وہ شہری یا معاشرتی حقوق حاصل نہین، جو ملک کے اصل باشندون کو حاصل ہین،

(۴) موجودہ نظامِ جمہوریت کا دار و مدار جماعتی طرزِ فکر، جماعتی کردار اور جماعتی نظریۂ سیاست

پر ہے، ملک مین اگر دو یا دو سے زائد جماعتین ہین، تو ہر جماعت کا نمایندہ اپنے مخصوص جماعتی طرز پر سوچتا ہے، اور جماعت سے وفاداری یا جماعتی عصبیت کی بنا پر ہر بات مین اسی کی حمایت کرتا ہے، خواہ وہ بات کتنی ہی غلط اور غیر منصفانہ کیون نہ ہو، اس لئے کہ ہر جماعت کا اپنا نصب العین ہوتا ہے، اور پارٹی کے ہر رکن کو جائز یا ناجائز طور پر اسی کی حمایت کرنی پڑتی ہے،

(۵) اس طرزِ جمہوریت مین طاقت ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھون مین ہوتی ہے، اور مختلف جماعتون مین جس کی اکثریت ہوتی ہے وہی با اقتدار ہوتی ہے، آئین جمہوریت کی رو سے اکثریت (مجارٹی) کا ہر فیصلہ جائز تصور کیا جاتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو، اور وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ سے اقلیتون پر اپنا تسلط قائم رکھتی ہے،

(۶) موجودہ نظامِ جمہوریت مین نمایندگی کے لئے متعدد اشخاص خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہین جس سے حریتِ عامہ پر نہایت برا اثر پڑتا ہے، ان مین سے ہر شخص ترہیب و ترغیب کے ذرائع اختیار کرتا ہے، اور بسا اوقات عوام محض خوف یا طمع کی وجہ سے راے دینے پر مجبور ہو جاتے ہین، اس طرح عوام کی آزادیِ فکر کو نقصان پہنچتا ہے، اور وہ صحیح نمایندہ منتخب نہین کر سکتے،

جس طرح نمایندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین ہے، اسی طرح راے دہندگی کے لئے بھی نہین بلکہ اس کا معیار عموماً ٹیکس اور لگان کی ادائگی تک محدود ہوتا ہے، اور ہر جماعت اور سوسائٹی اسی کو نمایندگی کے لئے موزون سمجھتی ہے، جو اس کے مخصوص مفاد اور نقطۂ نظر کی نمایندگی کر سکے، خواہ وہ کتنا ہی غلط کیون نہ ہو، ایسی حالت مین ملک و قوم کی صحیح نمایندگی ہو سکتی ہے، اور نہ صحیح انتخاب ہو سکتا ہے، اور وہی شخص انتخاب مین آئے گا، جو زیادہ سے زیادہ اپنی اپنی جماعتون کی ہمنوائی کر سکے، یہ کتنا بڑا ظلم ہے، کہ تجارتی، تعلیمی اور معالجاتی امور مین تو قابلیت، صداقت اور دیانتداری کا امتحان کر لیا جاتا ہے، مگر جہان پوری قوم اور ملک کے نفع و ضرر کا سوال ہو وہان نمایندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار

مقرر ہے، اور نہ رائے دہندگی کے لئے،

(۸) موجودہ طریق انتخاب سے منتخب ہونے والے اشخاص کو ایک مقررہ مدت تک کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے، اور اس میں رائے دہندگان کو اس کے عزل کا اختیار نہیں ہوتا، گویا وہ اتنی مدت تک طوعًا و کرہًا اس کی قیادت تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہیں، خواہ وہ ان کے اعتماد کا اہل نہ رہ گیا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نمایندہ اسی وقت تک عوام سے میل جول اور ربط و علاقہ رکھتا ہے، بلکہ ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا ہے، جب تک کہ وہ ان سے ووٹ حاصل نہیں کر لیتا، منتخب ہونے کے بعد وہ ہر طرح مطمئن ہو جاتا ہے، اور پھر اپنے رائے دہندگان کی خواہشات کا مطلق لحاظ نہیں کرتا،

ان آٹھ بنیادی نقائص سے قطع نظر جن امور کو موجودہ جمہوریت کے اجزائے ترکیبی ہونے کا فخر حاصل ہے، یعنی جو منشورِ آزادی میں درج ہیں، وہ بھی آج تک ذہنی دنیا سے آگے نہیں بڑھ سکے، اور عملی لحاظ سے اب تک وہی سب کچھ ہو رہا ہے، جو زمانۂ جمہوریت سے قبل تھا، اعلیٰ و ادنیٰ شریف و رذیل اور امیر و غریب کی طبقاتی تقسیم آج بھی بدستور قائم ہے، اعلیٰ طبقوں میں آج بھی وہی فرعونی روح کارفرما ہے، حکومت کے شعبوں اور ملک کے صنعتی کارخانوں میں تنخواہوں اور اجرتوں کا وہی معیار آج بھی ہے، اور موجودہ جمہوریت آج تک انسانی آلام کا مداوا نہ کر سکی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت کا صرف نام ہے، لیکن اس کے اندر اسی استبداد کی روح کارفرما ہے،

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

لا یصلح الناس فوضیٰ لا سراۃ لھم — ولا سراۃ اذا جھالھم سادوا

اب ہم ان ہشتگانہ نکات کو پیش کرنے کے بعد اسلامی نظریۂ سیاست کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں،

اسلام کا نظام سیاست و اجتماع

تو اے گرد تو ہم شوکت دریا چہ می دانی — اسیر غدر تنگی وسعت صحرا چہ می دانی

جن لوگوں کی آنکھیں اس مکین نہند نام زندگی کی ذہنی روشنی سے خیرہ ہیں، کاش ان کی نگاہ غلط بین اسلام کے مرکزِ انوار کی طرف بھی اٹھ سکتی، جن کی زبان پانی کے چند قطروں کے لئے ترس رہی ہے، کاش وہ اس آب حیوان تک پہنچ سکتے، جس میں پوری دنیا کو سیراب کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اور کاش ان کو یہ معلوم ہو سکتا کہ وہ جس کو مسیحا سمجھ کر اس کے گرد طواف کر رہے ہیں، وہ تو خود نیم جان بیمار اور دوسرے کے دست تنفس کا محتاج ہے، سنگریزوں کو جواہر تصور کر لینے سے حقیقۃً سنگریزے جواہر نہیں بن سکتے، خاکستر کو آگ سمجھ کر پھونک مارنے والے خوب سمجھ لیں کہ ان کے ہوا دینے سے اس میں اشتعال پیدا نہیں ہو سکتا،

وما ذا لو نفخت بھا اضائت

ولکن انت تنفخ فی الرماد

اسلام کا نظریۂ اجتماع و سیاست، ضابطۂ اخلاق و تمدن اور آئین اقتصاد و معیشت ہی انسانی زندگی کے مشکل مراحل طے کرانے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور یہی وہ نظریۂ حیات ہے جس میں بڑھنے، پھیلنے اور صالح تمدنی ارتقا کا ساتھ دینے کی نہ صرف صلاحیت ہے، بلکہ وہ خود ایک صالح تمدن کا بانی ہے، جو سارے عالم کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور ایک نہ ایک دن زمانہ آنے والا ہے، جب کہ دنیا کا ہر انسان اسلام کے عالمگیر فلسفۂ زندگی میں پناہ لینے پر مجبور ہوگا،

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ	خدائے بزرگ و برتر نے اپنے رسول
ودین الحق لیظهره علی الدین	کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا
کله،	تاکہ اس دین کو سارے ادیان پر غالب کرے
لا یبقیٰ علی ظهر الارض بیت مدرٍ	روئے زمین پر کوئی ایسا گھر

لا و بر الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام	نہین رہے گا، جس مین کلمۂ اسلام داخل
بعز عزیز و ذل ذلیل،	نہ ہو گا، کوئی باعزت طریق پر اسلام
(رواہ احمد)	مین داخل ہو گا، اور کوئی ذلیل ہو کر،
	اور بالآخر سب کو اسلام کے آگے
	جھکنا پڑے گا،

اسلام کا تصور حاکمیت حاکمیت کے سلسلہ مین اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے کہ کسی انسان کو انسانون پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہین، حکومت و اقتدار اور قانون سازی کا منصب صرف احکم الحاکمین کو حاصل ہے، انسان کا یہ منصب ہی نہین کہ وہ خدائی کامون مین دخل دے،

ان الحکم الا للہ،

حکومت کا کاروبار چلانے اور انسانی سوسائٹی مین نظم (ڈسپلن) قائم رکھنے کے لئے اس زمین مین خدا کی طرف سے ایک نیابی جماعت کام کرتی ہے، جو ایک مزدور کی حیثیت سے اپنے آقا کی معین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتی ہے، زندگی کے ہر شعبہ مین اس کے طور و طریق ایک معیاری (آئیڈیل) حیثیت رکھتے ہین، اور اسی حیثیت سے اس جماعت کو غلبہ، نفوذ اور تمکن فی الارض کا منصب حاصل ہوتا ہے، اس کو یہ حق ہرگز حاصل نہین ہے کہ وہ خدائی آئین مین کسی قسم کا ردو بدل یا ترمیم کر سکے، بلکہ اس کا فریضہ صرف اسی قدر ہے، کہ اس قانونِ خداوندی کو اس کی اصل شکل مین انسانون پر نافذ کرے، اور یہ جماعت خود بھی اسلامی آئین کی اسی طرح پابند ہوتی ہے، جس طرح وہ دوسرون کو پابند بنانا چاہتی ہے،

الذین ان مکنٰھم فی الارض	(وہ لوگ جن کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت
اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ	دی گئی ہے، اور جو بلا وجہ اپنے گھرون

وامروا بالمعروف ونھوا	سے نکالے گئے ہین) ان کو اگر ہم تمکنت
عن المنکر،	فی الارض عطا کرین گے، تو وہ نماز،
	زکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر
	کے فرائض کو کما حقہ انجام دین گے،

درحقیقت یہی جماعت ہے جو نیابتِ الٰہی کے فرائض انجام دیتی ہے اور قیادتِ عظمیٰ کی مستحق ہے اس کی راہ متعین ہے، اور اس کا آئین اٹل ہے، اقوام عالم کے نظریون مین ہر لحظہ تبدیلی کا امکان ہے، مگر اس جماعت کا ہر نظریہ غیر متبدل، ہر تصور غیر متغیر اور ہر قانون دائمی اور پائدار حیثیت رکھتا ہے، رات کی تاریکی مین بھٹکنے والی قومین راستہ کے ہر سنگ میل کو آخری منزل مقصود تصور کر لیتی ہین، ظلمٰت بعضھا فوق بعض، مگر اس جماعت کا ایک قدم بھی اندھیرے مین نہین اُٹھ سکتا کہ اس کے چارون طرف انوار الٰہی کی بارش ہو رہی ہے، نورٌ علیٰ نور یھدی اللہ لنورہٖ من یشاء،

محض حسنِ ظن کی بنا پر نہین، بلکہ واقعات، فکر و نظر اور علم و بصیرت کی بنا پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام کا پیش کردہ نظریۂ حیات ہی انسانی دنیا کی تمام مشکلات کو احسن طریق پر حل کر سکتا ہے، اور اسی کے ذریعہ دنیا مین قیادتِ عظمیٰ کی داغ بیل ڈالی جا سکتی ہے، مسلمان اس فلسفۂ زندگی کا علمبردار ہے اور اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بنی نوع انسان کی رہنمائی کرے،

وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطًا	مسلمانو! ہم نے تم کو ایک معتدل امت
لتکونوا شھدآء علی الناس	بنایا ہے، تاکہ تم تمام انسانون پر گواہ
ویکون الرسول علیکم	اور نگران ہو، اور رسول تم پر نگران
شھیدًا	اور گواہ بنے،

وسطًا کے لفظ مین ایک لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ امتِ مسلمہ اقوام عالم کے لئے مرکز اور

وسط حقیقی کی حیثیت رکھتی ہے، اور ساری کائنات اس کے گرد چکر کاٹتی ہے، نیز اس مین عالم انسانی کو اپنے اندر جذب کرنے کی قوتِ جاذبہ موجود ہے،

شہید کے معنی اہلِ لغت اور مفسرین نے گواہ، حاضر، اور محاسب و نگران کے بیان کئے ہین، یعنی جماعت مومنین عالم انسانی مین ایک گواہ اور نگران کی حیثیت رکھتی ہے، انسانی سوسائٹی مین نظم و ضبط قائم رکھنا، ابیض و اسود اور شاہ و گدا مین قانونی اور مجلسی مساوات قائم کرنا اور تمام اخلاقی، مجلسی اور معاشی خرابیون کی اصلاح کرنا اس کا فرض قرار دیا گیا ہے، دوسری اقوام و ملل کے دورِ قیادت و امامت کے ختم ہونے کے بعد قیادت کی تمامتر ذمہ داریان اسی جماعت کے سپرد کی گئی ہین،

ثم جعلنکم خلئف فی الارض من بعد ھم لننظر کیف تعملون،

پہلی قومون کے بعد مسلمانو! ہم نے تم کو خلافتِ ارضی کا منصب عطا کیا ہے تاکہ ہم دیکھین کہ تم اس کے فرائض سے کیسے سبکدوش ہوتے ہو،

بخاری کی ایک حدیث کا آخری ٹکڑا ہے،

انتم شھداء اللہ فی الارض (بخاری)

تم خدا کی زمین مین اس کی طرف سے محاسب اور گواہ ہو،

نحن آخر الامم (اخرجہ ابن ماجہ)

ہم اقوام عالم مین سب سے آخری قوم ہین،

نحن الآخرون السابقون[۱] (بخاری و مسلم و نسائی)

ہم زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری قوم ہین، مگر منصب کے اعتبار سے سب سے پہلا مقام

---

[۱] اس موضوع پر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک بصیرت افروز مقالہ امتِ مسلمہ کی بعثت کے عنوان سے معارف ماہ جنوری ۱۹۳۸ء مین شائع ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لئے اس کی جانب رجوع کرنا چاہئے،

امارت و خلافت کا معیار

اخلاقی قیود و اقدار کی رعایت کے علاوہ اور کسی دوسرے ذریعہ سے عالم انسانی مین حقیقی امن ہرگز قائم نہین ہو سکتا، انسانی طبائع کا میلان فطرۃً ظلم و تعدی حصول منفعتِ ذاتی اور غصبِ حقوق کی جانب ہے، اس فطری رجحان کی روک تھام کے لئے دین فطرت ہی کا ضابطۂ اخلاق زیادہ موثر ثابت ہو سکتا ہے، اس کے مقابلہ مین ریاست (سٹیٹ) کی حیثیت محض ثانوی ہے، وہ مستقل بالذات اور منفرد طور پر اس کام کو انجام دینے سے قاصر ہے، دنیا کے قدیم اور جدید واقعات کی شہادت اس کے لئے کافی ہے، کہ محض ریاست قیام امن کے سلسلہ مین پوری طرح کامیاب نہین ہو سکی ہے، اور ان دونون قوتون کے اجتماع سے ہی مطلوبہ زندگی کا حصول ممکن ہے، ان مین سے تنہا ایک اصل مقصد کے لئے کافی نہین،

این دو قوت حافظِ یک دیگر اند
کائناتِ زندگی را محور اند

اس کی مزید تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے، کہ جہان انسانی طبائع مین نظم و انضباط پیدا کرنے اور خیر و شر کی متضاد قوتون مین توازن قائم رکھنے کے لئے ریاست کی ضرورت ہے، وہان ایک قادر علی الاطلاق اور غیر محسوس ہستی پر کامل ایمان اور اس کے محاسبۂ اعمال پر یقین و اذعان بھی ضروری ہے، اسی لئے قرآن کریم نے ان دونون چیزون کو اس طرح بیان کر دیا ہے، کہ گویا ان مین رشتۂ تلازم ہے،

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باس

ہم نے اپنے رسول آیاتِ بینات کے ساتھ بھیجے، اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان بھی اُتاری، تاکہ لوگ قسط و عدل پر کھڑے ہو جائین، اور لوہا بھی اتارا

شَدِیۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ،	جس مین جنگ وقتال کے ساز وسامان
(حدید)	اور لوگون کے لئے بے شمار فائدے ہین،

میزان" اور "حدید" کو نعل کے تکرار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہر ایک کا مفہوم ومصداق جدا جدا ہے، عبوری منزل مین بھی اختلاف ہے، کیونکہ اول الذکر خیر محض ہے اور ثانی الذکر مین شر کی بھی آمیزش ہے، مگر ان دونون کو ایک ہی جگہ ذکر کرنے سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ ان کی آخری منزل ایک ہے، اور وہ حقیقی نظام امن کا قیام اور فتنہ وفساد کا استیصال ہے،

یہ ظاہر ہے کہ موجودہ نظامہائے سیاست مین کردار کی بلندی اور اخلاق وسیرت کی پاکیزگی کو کسی بعید سے بعید گوشہ مین بھی جگہ حاصل نہین، اور نہ ان کو ایمان باللہ اور حیات بعد الممات کے محاسبۂ اعمال ہی کے تصور سے کوئی نسبت ہے، مگر اسلام کا نظریۂ سیاست درحقیقت اسی ایک اصل پر مبنی ہے، کہ انسان کی زندگی دو حصون مین منقسم ہے، حیات قبل الممات اور حیات بعد الممات، موت ان دونون مین حد فاصل ہے، اور پہلی زندگی دوسری کے لئے ایک موثر کا حکم رکھتی ہے، یعنی اس زندگی کا ہر فعل آنے والی زندگی پر اثر انداز ہوگا، یہی وجہ ہے، کہ اسلام کی نظر مین عظمت وبرتری صرف تقوی وطہارت اور عمل وکردار سے وابستہ ہے، نسلی شرافت، خاندانی وجاہت اور ملکی وقومی عظمت ہرگز قابل اعتبار نہین، اور یہ چیزین آنے والی مستقل اور دائمی زندگی کے لئے کارآمد نہین، اس لئے عزت وشرف کا معیار کردار کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی ہے،

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ،	تم مین سب سے زیادہ معزز اور شریف وہی ہو سکتا ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار و متقی ہو،
لیس لاحد علی احد فضل الا	دینداری اور خدا ترسی کے سوا

بالدین وتقوی (مشکوۃ)	کسی کو کسی پر فضیلت نہین ہو سکتی،

اسی بنا پر اسلامی نظریۂ اجتماع وسیاست کے تمام اجزار مین یہی حقیقت جاری وساری نظر آتی ہے، اور امارت ونمایندگی کے لئے بھی سب سے زیادہ عمل وکردار اور اخلاق وسیرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، ایک بہتر صالح اور جامع الشروط شخص کی موجودگی مین اگر کسی نااہل اور بے عمل شخص کو امیر بنا دیا جائے، تو یہ اسلام کی نظر مین نہایت خطرناک جرم ہے

عن ابن عباس رض قال رسول اللہ	جو شخص کسی کو ایک جماعت کا امیر بناتا ہو
صلی اللہ علیہ وسلم من استعمل رجلاً من	اور اس جماعت مین اس سے بہتر اور پسندیدہ
عصابۃ وفی تلک العصابۃ من ھو ارضی	آدمی بھی موجود ہے، تو وہ خدا، رسول
للہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ وخان المومنین۔	اور مومنون سے خیانت کرتا ہے،
عن ابی بکر رضی اللہ عنہ قال قال رسول	جس شخص کو مسلمانون کی طرف سے کچھ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولی من	اختیار مل جائے، اور وہ ان پر محض نفسی
امر المومنین شیئاً فامر علیھم	کے پیش نظر کسی شخص کو امیر بنا دے تو وہ
احداً محاباۃ فعلیہ لعنۃ	خدا کی طرف سے لعنت کا سزاوار
اللہ، (اخرجھما الحاکم)	بن جاتا ہے،

حضرت فاروق اعظم رض انتخاب عام کے ذریعہ منتخب ہوئے، مگر اس کے باوجود انھون نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا،

قال عمر بن الخطاب لو علمت	اگر مین جانتا کہ کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ
ان احداً اقوی علی ھذا الامر	امر خلافت کو انجام دینے کی قوت رکھتا ہے تو
منی لکان ان اقدم فتضرب	اس صورت مین منصب خلافت کی ذمہ داری کے

عنقی اھون علیَّ (اخرجہ محمدؒ فی الموطا)	مقابلہ میں میرا قتل کیا جانا میرے لئے آسان تر ہوتا

اس مین شک نہین کہ احکام و قضایا کا علم، فہم قرآن، سیاسی شعور و فراست، فن سپہ گری کی مہارت، اعدار کے مقابلہ و دفاع کی پوری صلاحیت اور دیگر بہت سے امور شرائط امارت و قیادت مین شامل ہین، مگر اخلاق و سیرت کی پاکیزگی ان سب کے لئے روح کی حیثیت رکھتی ہے،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	اگر ہم ان لوگون کو زمین مین غلبہ و تمکنت
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ	عطا کرین تو وہ نماز کو قائم کرین گے،
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا	زکوٰۃ دین گے اور امر بالمعروف و نہی
عَنِ الْمُنْکَرِؕ	عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرین گے،

اس آیت قرآنی مین تمام شرائط امامت و خلافت کی طرف بالاجمال اشارہ کر دیا گیا ہے، اقامت صلوٰۃ ایتاء زکوٰۃ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر مین تمام انفرادی اور اجتماعی فرائض آجاتے ہین، امر بالمعروف کے لئے فہم قرآن اور احکام و قضایا کا علم ہر حال مین لازمی ہے، اسی طرح یہ فریضہ اس وقت تک تکمیل پذیر ہو ہی نہین سکتا جب تک کہ قوتِ مقتدرہ اور اعداے دین کے مقابلہ کی صلاحیت تام موجود نہ ہو، نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرآن کریم کی اُن جامع اصطلاحات مین سے ہین، جن کا اطلاق انسانی زندگی کے ہر گوشہ پر ہے، مگر اخلاقی حدود و اقدار پر ان کا اطلاق زیادہ بیّن ہے، اس صورت مین امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس بات کو مستلزم ہون گے کہ آمر بذاتِ خود بھی بہترین اخلاق اور بلند کیرکٹر کا حامل ہو،

(باقی)

تتمۂ مسئلۂ سود و قمار وغیرہ

مسلم و حربی مین

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ عربی ڈھاکہ یونیورسٹی

مین نے معارف مین مسئلہ سود مسلم و حربی پر جو مضامین لکھے تھے، اور ان مین امام ابو یوسف اور امام شافعی وغیرہما جمہور علماء امت کی طرف سے جو دلائل بیان کئے تھے، ان مین سے بعض اپنی طرف سے پیش کئے تھے، پھر مبسوط سرخسی سے مراجعت کی تو اس مین میرے قول کی تائید مل گئی، جی چاہا کہ اس کی عبارت کو بھی پیش کر دون وللہ الحمد علی الموافقہ،

قال وحجتھما ای ابی	مبسوط مین ہے کہ امام ابو یوسف اور امام
یوسف والشافعی رحمھما اللہ	شافعیؒ (وغیرہما) کی حجت عبد اللہ بن
تعالیٰ حدیث ابن عباس رضی	عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ
اللہ عنھما انہ وقع للمشرکین	(غزوۂ خندق مین) مشرکین کی ایک
جیفۃ فی الخندق فاعطوا بذلکؐ	لاش خندق مین رہ گئی تو انھون نے
للمسلمین مالا فنھی رسول	اس کے عوض مسلمانون کو بہت سا
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن	مال دینا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ذلك ولا معنی لقول من يقول
كان موضع الخندق من دار
الاسلام لانا نقول عندكم
يجوز هذا بين المسلم والحربی
الذی لا امان له سواء كان
فی دار الاسلام او فی دار
الحرب، والمعنى فيه انّ
المسلم من اهل دار الاسلام
فهو ممنوع من الربا بحكم
الاسلام حيث كان ولا يجوز
ان يحمل فعله على اخذ مال
الكافر بطيبة نفسه لانه
قد اخذ لا بحكم العقد و
لان الكافر غير راض باخذ
هذا المال منه الا بطريق
العقد منه ولو جاز هذا فی
دار الحرب لجاز مثله فی دار
الاسلام بين المسلمين
على ان يجعل الله درهم

مسلمانون کو اس سے منع فرمایا، (اگر
معاملہ ربا و قمار وغیرہ دار الحرب مین
مشرکین سے جائز ہوتا، تو آپ اس سے
منع نہ فرماتے) اور یہ جو بعض نے کہا
ہے کہ خندق کی جگہ دار الاسلام مین واقع
تھی، (اس لئے حضورؐ نے منع فرمایا، کہ
دار الاسلام مین عقد فاسد نہ ہو) تو اس
مین کوئی وزن نہین، کیونکہ تمھارے نزدیک
ایسا معاملہ دار الاسلام مین بھی حربی غیر
مستامن سے جائز ہے، (حربی محارب سے
بدرجۂ اولی جائز ہونا چاہئے) اور اصل
علت (ممانعت کی) یہ ہے کہ مسلمان
دار الاسلام کا رہنے والا ہے، اسلام
کے حکم کی وجہ سے اس کو عقد ربا ممنوع
ہے، خواہ وہ کسی جگہ ہو، اس کے فعل
مین یہ تاویل جائز نہین، کہ وہ (عقد
کی وجہ سے نہین بلکہ) کافر کی خوشی سے
مال ربا لے رہا ہے، کیونکہ اس نے (علانیہ)
محض عقد کی وجہ سے یہ مال لیا ہے (اور)

بالله درهم والله درهم الآخر
هبةً، (جلد ۱۳ ص ۵۶، ۵۷)

وہ کافر بھی محض عقد کی وجہ سے یہ مال
دینے پر راضی ہوا ہے، بدون عقد کے
وہ ہرگز راضی نہین تھا، اور اگر اس قسم
کی تاویل دار الحرب مین کی جا سکتی ہے تو
دار الاسلام مین بھی مسلمانون کے معاملات
مین کی جا سکتی ہے، کہ ایک درہم کے عوض
دو درہم دینے والے نے ایک درہم تو ایک
درہم کے بدلہ مین دیا ہے، اور دوسرا
بطور ہبہ کے دیا ہے،

یہی مین نے عرض کیا تھا کہ مسلم مستامن دار الحرب مین حربی سے عقد ربا کے ذریعہ جو کچھ وصول کرتا ہے، محض عقد کی وجہ سے کرتا ہے، عقد کو کالعدم قرار دیکر لین دین کو تراضی طرفین پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف اور بعید تاویل ہے،

امام شافعیؒ و امام ابو یوسفؒ کی طرف سے یہ حجت بیان کرکے صاحب مبسوطؒ نے امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کی دلیل مین وہی مکحول والی مجہول و مرسل روایت اور فتح مکہ مین حضرت عباسؓ کی ربا ساقط کئے جانے کا واقعہ اور رکانہ کی کشتی کا اور حضرت صدیقؓ کا اہل مکہ سے شرط لگانے کا قصہ نقل کرکے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حربی کا مال مباح ہے، مسلم مستامن کو صرف غدر سے بچنا ضروری ہے، اور جیسے بھی ہو وہ ان کا مال لے سکتا ہے، مگر مین تبلا چکا ہون کہ روایاتِ مذکورہ سے استدلال نہین ہو سکتا، اور معاہدۂ استیمان کے بعد اباحت مال حربی کا دعویٰ محتاج دلیل ہے، اور واقعہ خندق کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حضورؐ نے کفار کو غیظ دلانے اور ذلیل کرنے کے لئے لاش واپس کرنے سے منع فرمایا، مگر یہ جواب صحیح نہین

کیونکہ بعض طرق میں اس کی تصریح ہے، کہ آپ نے بلا قیمت لاش دیدینے کا امر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت
عقد فاسد سے منع کرنا مقصود تھا، اور موقع خندق کو دار الاسلام کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ جنگ کے وقت
جس مقام پر کفار کا غلبہ ہو اس کا دار الاسلام میں شمار نہیں کیا جاسکتا، جب تک کفار کا غلبہ وہان سے
دور نہ ہو جنگ کے وقت لشکر کفار کی فرودگاہ کو دار الحرب قرار دیا جائے گا، جب کہ اون کی
طاقت کافی ہو، اور ظاہر ہے کہ خندق کے ایک کنارہ پر کفار کا قبضہ تھا، دوسرے کنارہ پر مسلمانون
کا قبضہ تھا، اور حالت ایسی نازک تھی کہ مسلمانون کے کلیجے منہ کو آرہے تھے، ایسی حالت مین خندق
کو دار الاسلام قرار دینا دشوار ہے، پس صحیح جواب یہ ہے کہ خندق اس وقت دار الاسلام نہ تھا، نہ یہ
کہ امام ابو حنیفہ اور محمد دار الاسلام مین بھی مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کو جائز کرتے ہین، کیونکہ وہ
اس کے قائل نہین۔

قال و اذا کان لرجل علی
رجل دین الی اجل وھو من
ثمن مبیع فحط عنہ شیئا علی
ان یعجل لہ ما بقی فلا خیر فیہ
ولکن یرد ما اخذ والمال
کلہ الی اجلہ وھو مذھب
عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما
وکان زید بن ثابت یجیز ذلک
(فی ثمن المبیع دون القرض) و
لسنا ناخذ بقولہ لان ھذا

مبسوط مین ہے کہ جب ایک شخص کا دوسرے
پر دین ہو جو مبیع کی قیمت ہو (یہ قید اس لئے
لگائی کہ حضرت زید بن ثابت کا اختلاف
ایسی صورت مین ہے، اور اگر دین قرض
کی وجہ سے ہو تو اس مین اختلاف نہین)
پھر بائع اس شرط پر کچھ مقدار دین کی
کم کردے، کہ مشتری باقی کو جلدی ادا
کردے، تو اس مین کچھ خیر نہین۔
(یعنی ناجائز ہے)، اس کو لازم ہے کہ جو
کچھ لیا ہے واپس کردے، اور اپنا پورا

مقابلۃ الاجل بالدراھم و
ومقابلۃ الاجل بالدراھم
ربا الا تری ان فی الدین الحال
لو زادہ فی المال لیوجلہ لم یجز
فکذلک فی المؤجل اذا حط
عنہ البعض لیعجل لہ ما بقی
والذی روی ان النبی صلی
اللہ علیہ وسلم لما اجلی بنی
النضیر فقالوا ان لنا دیونا
علی الناس فقال صلی اللہ علیہ وسلم
ضعوا و تعجلوا فتاویل ذلک
ضعوا و تعجلوا من غیر شرط
او کان ذلک قبل نزول حرمۃ
الربا۔

(جلد ۱۳ ص ۱۲۶)

مال مدت تمام ہونے پر دے، یہی مذہب
عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا ہے، اور
زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (ثمن بیع)
مین اس کو جائز کہتے تھے، مگر ہم اون
کے قول کو نہین لے سکتے، کیونکہ یہان
مدت کا مقابلہ دراہم سے ہے، (یعنی
مدت کے عوض روپیہ کم کیا جارہا ہے)
اور مدت کا مقابلہ دراہم سے کرنا ربا ہے
کیا تم نہین دیکھتے کہ اگر مدیون دین معجل
کی مقدار اس لئے بڑھا دے کہ اس کو
مہلت مل جائے تو یہ جائز نہین، اسی
طرح دین مؤجل کی مقدار اس لئے کم کردینا
کہ دین جلدی وصول ہو جائے، یہ بھی جائز
نہین ہو سکتا، (کیونکہ دونون صورتون
مین مدت کے مقابلہ مین مال لیا جارہا ہے
اور یہ ربا ہے) اور وہ جو روایت
کیا گیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا تو انھون نے
کہا کہ ہمارا بہت قرضہ لوگون کے ذمہ ہے،

(اوس کے وصول ہونے تک ہم کو مہلت

دی جائے) تو حضور نے ان سے فرمایا کہ

قرضہ کم کرکے جلدی وصول کرلو، تو اس

ارشاد کا یہ مطلب نہ تھا، کہ جلدی کی

شرط پر قرضہ کم کردو، بلکہ) مطلب یہ تھا

کہ بغیر کسی شرط کے قرضہ کم کردو، اور

جلدی وصول کرکے چل دو، یا یہ واقعہ

حرمتِ ربا کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہوگا،

ہمارے مولانا گیلانی نے سیر کبیر سے بنو نضیر کے اسی واقعہ کو امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل میں بیان کیا تھا، مگر صاحبِ مبسوط نے بتلا دیا، کہ اس میں اُن کے لئے کوئی دلیل نہیں اور بعینہ وہی احتمال نکال دیا جو احقر نے بیان کیا ہے،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور انفصالِ مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے۔

ضخامت :- ۹۰ صفحے، قیمت :- ۱۰ر

"منیجر"

ادبیات

شوقِ دیدار

از حکیم الشعراء سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی

وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَہٗ رَبُّہٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ، الخ،

(اعراف ۔ ۱۷)

یعنی موسیٰ جب کوہِ طور پر آئے اور اپنے خدا سے گفتگو کی تو اثنائے گفتگو میں کہا اے میرے مالک جب کان تیری آواز سنتے ہیں، تو آنکھیں دیکھنے کے لئے بے چین ہو جاتی ہیں، کبھی تو ان کو [illegible]

محرومیِ گذشتہ پہ ہم کیوں کریں قیاس
شاید بدل گئی ہو طبیعت حضور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

ساقی! ترے در پہ تشنہ کام آیا ہے
ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آیا ہے

دل میں سو حسرتیں لئے آیا ہوں
میں دیدۂ دیدار طلب لایا ہوں

لے دیکھ، مرا حال ہے ابتر کیسا
پردہ بندے سے بندہ پرور کیسا

دریا دیکھا، تمام صحرا دیکھا
گلزارِ جہان کا پتہ پتا دیکھا

دنیا کا ہر ایک ذرہ ذرہ دیکھا
دیکھا نہ تجھی کو جب تو پھر کیا دیکھا

اب کچھ دیکھا ہے اور جب کچھ دیکھا
دنیا میں ترے سوائے سب کچھ دیکھا

ہیں دید سے محروم طلبگار آنکھیں
کیوں دی گئیں مجھ کو ایسی بیکار آنکھیں

جو تجھ کو نہ دیکھے اس سے تو کور اچھا
ایسے زندہ سے زندہ در گور اچھا

ہر ایک سے کیون نہ موڑ لون مین آنکھین
جی چاہتا ہے کہ پھوڑ لون مین آنکھین

جب حد سے گذر گئی شکایت میری
بے طرح بگڑنے لگی حالت میری

معلوم ہوا کہ کوئی نزدیک آیا
چپکے سے کسی نے کان مین فرمایا

اللہ اللہ ہم سے اتنا شکوہ
کیا یاد نہین ہے، خَرَّ موسٰی صَعِقًا

ایک جلوے مین ایک حشر برپا دیکھا
تم نے دیکھا کلیم نے کیا دیکھا

اک آن مین مستی سے گذرتے ہی بنی
دو ہاتون سے توبہ کرتے ہی بنی

کیون میرے فراق کا تجھے ماتم ہے
کیون مجھ کو نہ دیکھنے کا تجھکو غم ہے

تو دیکھ کے مجھ کو کیا کرے گا امجد
مین دیکھ رہا ہون تجھ کو یہ کیا کم ہے

غزل

از صاحبزادہ شفق قادری ٹونکی

حد نہین صبر آزمائی کی
ہائے کیا شام ہے جدائی کی

بند غم سے نہ ہو سکے آزاد
لاکھ تدبیر کی رہائی کی

دیکھتا ہون جہان تم ہی تم ہو
کوئی حد بھی ہے جلوہ زائی کی

ذرّے ذرّے سے مسکرا اٹھے
موج آئی جو خود نمائی کی

آسمان کو زمین بنا ڈالا
ہم نے جب ہمت آزمائی کی

خود قفس کھول دے گا در اپنا
جب گھڑی آئے گی رہائی کی

دیکھیے کس طرح بسر ہو شفق
رات اور رات بھی جدائی کی

بابُ التّقریظ والانتقاد

مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ

از

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ ادب دار العلوم ندوۃ لکھنو

(۲)

گذشتہ نمبر مین یہ ظاہر کیا جا چکا ہو کہ اکیڈمی کے مقاصد مین یہ بھی ہو کہ وضع الفاظ کے سلسلہ مین عربی زبان کے قواعد کی چھان بین، اور اس مین ایسی مناسب ترمیم کی جائے، جس سے وضع الفاظ مین سہولت ہو، چنانچہ اس سلسلہ مین اس اکیڈمی کے ارکان نے قواعد لغت پر محققانہ نظر ڈالی، اور بعض قواعد صرف مین مناسب ترمیمین کین، کوفہ و بصرہ کے علمائے لغت مین جس مسئلہ مین اختلاف تھا، ان مین کسی ایک گروہ کی راے کو قانونی حیثیت دیدی، یا کسی ایسے صرفی مسئلہ کو جسے علماے لغت سماعی کہتے آئے ہین، لیکن اس کو قیاسی بنانے کی ضرورت تھی، تو اکیڈمی نے اس کے متعلق اصول وضع کر دیے، تاکہ وضع الفاظ مین سہولت ہو، مثلاً ایسے مقامات جہان کوئی چیز کثرت سے ہوتی ہے، ان کے لئے اسماء اعیان سے مَفْعَلَۃ کے وزن پر اسم مشتق کرتے ہین، جیسے ذِئب سے مَذْئَبَۃ (ایسا مقام جہان کثرت سے بھیڑیے ہون) اسد سے مَاْسَدَۃ اور سَبُع سے مَسْبَعَۃ، رضی نے شافیہ کی شرح مین وزن مفعلۃ کی متعدد مثالین دے کر لکھا ہے، کہ گو اس قسم کی مثالین کثرت سے کلام عرب مین ملتی ہین، مگر یہ قیاسی نہین یعنی عرب سے جتنی مثالین سنی گئی ہین، ان پر

قیاس کرکے دوسرے الفاظ نہیں مشتق کئے جاسکتے ہم منظر الدین شارح مفصل نے کمل مین مفعلۃ کو قیاسی

لکہا ہے، اکیڈمی نے بہی عصری ضروریات کے پیش نظر مفعلہ کو قیاسی مان کر یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ ثلاثی

مجرد اسماء اعیان (خواہ وہ جمادات و نباتات ہون یا حیوانات ہون) سے اس مقام کے لئے جہان وہ اسماءُ

اعیان کثرت سے پائے جاتے ہیں، مفعلہ کے وزن پر اسم مشتق ہوگا، جیسے بقل سے مبقلۃ (سبزی منڈی) اور

تجارت سے متجرۃ (تجارت کی منڈی) وغیرہ،

ثلاثی مجرد افعال کے مصادر مختلف اوزان پر آتے ہین، اور چند مصادر کے سوا اکثر سماعی ہین، ان مین

بعض اوزان تو کثرت سے مستعمل ہین، اور بعض بہت کم استعمال مین آتے ہین، کثیر الاستعمال اوزان بعض نحویون

کے نزدیک قیاسی اور قلیل الاستعمال سماعی ہین، لیکن بعض نحوی تمام ثلاثی مجرد مصادر کو سماعی کہتے ہین،

اکیڈمی نے سیبویہ، اخفش اور ابن مالک وغیرہ کا مسلک اختیار کیا ہے، جن کے نزدیک ثلاثی مجرد مصادر

کے وہ اوزان جو کثیر الاستعمال ہین، قیاسی ہین،

چنانچہ اکیڈمی نے مصدر فعالۃ (کسر الفاء) کو جو کثرت سے کسی پیشہ یا صنعت و حرفت کو ظاہر کرتا ہی،

جیسے تجارۃ و حدادۃ (لوہاری، نجارت (بڑھئی کا پیشہ) قیاسی قرار دیکر یہ قاعدہ وضع کر دیا، کہ ثلاثی مجرد سے

خواہ کسی باب سے فعل آتا ہو پیشہ یا ہنر یا صنعت و حرفت کو ظاہر کرنے کے لئے فعالۃ کے وزن پر صیغہ مشتق کیا جائیگا

اس اصول سے بہت سے ایسے پیشے اور ہنر کے لئے الفاظ وضع کرنا آسان ہوگیا، جن کے لئے عربی مین الفاظ

نہین تھے، جیسے شعاع سے شعاعۃ کیمرہ سے تصویر کشی کے فن کے لئے جس مین شعاع آفتاب کو دخل ہے، تاجرون

اور مل کے مالکون کے درمیان دلالی کے لئے وساطۃ کا لفظ، اور سونے کی ملمع کاری کے لئے ولاعۃ کا لفظ وضع

کیا ہے، اسی طرح صحافۃ اور طباعۃ وغیرہ الفاظ کا استعمال جدید معنی مین صحیح ہوگا،

اکیڈمی نے یہ ضابطہ بھی بنایا ہے، کہ فعل لازم (عین کے فتحہ کے ساتھ) سے مصدر فعلان (ف اور

ع دونون کو زبر) کے وزن پر مشتق کیا جائے گا، بشرطیکہ اس فعل لازم کے معنی مین حرکت و اضطراب

بجلی یا بادل گرے، اس اصول سے بہت سے ایسے کلمات کا وضع کرنا آسان ہوگیا جن کی جدید فنون مین ضرورت

ہوتی ہے، جیسے بجلی کی لہرون کی مسلسل حرکت کو موجان کہا جائے گا، خوف یا مرض کی بنا پر آنکھون کے بار بار

جھپکنے کو طرفان کہا جائے گا،

اکیڈمی نے عربی کے بہت سے قدیم اصول مین مناسب ترمیمین کی ہین جن سے عربی زبان وقت کے

جدید تقاضون کے پورا کرنے کے لائق ہو جائے گی، اور اس کے بنیادی امتیازات بھی باقی رہین گے، کیونکہ یہ تمام

قواعد قدیم اصول اور فصحائے عرب کے استعمالات کو پیش نظر رکھ کر وضع کئے گئے ہین، کہین بھی روح عربیت

کے خلاف کوئی قاعدہ نہین وضع کیا گیا ہے،

فصحائے عرب نے اسماء اعیان سے بہت سے الفاظ مشتق کئے ہین، اور لغت کی کتابون مین اس کی

سیکڑون مثالین موجود ہین، مگر ائمہ لغت نے اعیان سے اشتقاق کو ناجائز لکہا ہے، اور اشتقاق کو محض مصادر

اور افعال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اس وقت فنی اصطلاحات وضع کرنے مین اسماء اعیان سے مشتق الفاظ

کی بڑی ضرورت ہے، اسی بنا پر اکیڈمی نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ علوم (سائنس) مین ادب (آرٹ)

مین نہین، بوقت ضرورت اسماء اعیان سے الفاظ مشتق کئے جائین،

قدیم عرب نے ذہب (سونا) سے مُذہب (سونے کا ملمع کیا ہوا) فضہ سے مفضض کبریت (گندھک)

سے مکبرت اور زاؤوق (پارہ) سے مزوّق مشتق کیا ہے، اس جدید اصول کے بعد اب نحاس (تانبا) سے منحس

زرنیخ (ہڑتال) سے مزرنخ اور بلور سے مبلر مشتق کرنا صحیح ہے، کیونکہ طب، کیمیا (کیمسٹری) طبعیات اور

دوسرے مختلف صنعتون مین اسماء اعیان سے اشتقاق کی ضرورت پیش آتی ہے،

اب برنیق (وارنش) سے برنقہ وارنش کرنا، مُبرنق وارنش کیا ہوا مشتق کرنا صحیح ہوگا،

بہت سے افعال کے مصادر اور اسماء مشتق کے افعال کی تفصیل لغت کی کتابون مین موجود نہیں اس کے

متعلق اکیڈمی نے چند اصول و ضوابط وضع کئے ہین، بہت سے مفرد کی جمع کتب لغت مین موجود نہین ہے اسیز

جو اس تکثیر کے موضوع پر سیر حاصل بحثیں اور مفید مضامین ہیں،

مذکورۂ بالا شاخوں کے علاوہ اور متعدد نئے اصول و قواعد وضع کئے گئے ہیں جن سے فنی اصطلاحات میں مدد ملتی ہے، لیکن ان کی تفصیل سے ناظرین کو کوئی دلچسپی نہیں ہو گی،

احادیث کے الفاظ سے لغوی استدلال کے بارے میں علماء عربیت کی رائیں مختلف رہی ہیں، البتہ زیادہ محتاط علماء لغت نے حدیث سے لغوی استدلال کرنے میں صرف اس بنا پر احتیاط کی ہے، کہ حدیث کی روایت بالمعنی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے راویوں میں بڑی تعداد اہل عجم کی ہے جن کی عربی مستند نہیں مگر دوسرا گروہ جو احادیث کی لسانی قدر سے واقف ہے، اور اسے تدوین احادیث کی تاریخ معلوم ہے، اس نے خالص لغوی حیثیت سے بھی احادیث نبوی کو مستند اور ان سے استدلال کو صحیح قرار دیا ہے،

احادیث کی تدوین خود عہد نبوی ہی سے ہونے لگی تھی، متعدد صحابۂ کرام نے احادیث کے مجموعے مرتب کئے تھے، ظاہر ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں عربی زبان کے خد و خال میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا، زبان کا قوام خالص عربی تھا، اس میں عجمیت کی کوئی آمیزش نہیں ہوئی تھی، حدیث کی تاریخ تدوین کے متعلق شیخ خضر حسین کا مضمون اچھا خاصہ ہے، مگر اردو میں اس سے بہتر مضامین اس موضوع پر لکھے جا چکے ہیں،

اکیڈمی نے مندرجہ ذیل قسم کی احادیث سے استدلال لغوی کو صحیح قرار دیا ہے،

(۱) متواتر و مشہور حدیث،

(۲) عبادات میں استعمال ہونے والے الفاظ احادیث،

(۳) وہ احادیث جو جوامع الکلم (مختصر حکیمانہ جملے) شمار ہوتی ہیں،

(۴) خطوط نبوی،

(۵) ایسی حدیثیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قوم سے اس کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے،

۶- ایسی احادیث جن کے راویوں کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ روایت بالمعنی کے قائل نہیں تھے، جیسے قاسم بن محمد، رجاء بن حیوۃ اور ابن سیرین وغیرہ

۷- ایسی احادیث جو متعدد طرق سے مروی ہونے کے باوجود سب روایتوں کے الفاظ یکساں ہوں،

اس صدی کے آغاز میں علماء لغت نے رسائل و اخبارات اور جدید مطبوعات کی لسانی جدتوں پر سخت اعتراضات شروع کر دیئے تھے، خصوصاً فعل لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے اور صلات افعال کے استعمال پر بڑی تنقیدیں کیں، چنانچہ لغت کی کتابوں میں جو صلے مذکور ہیں جہاں اس کے خلاف کوئی صلہ دیکھتے، فوراً اس کی تغلیط کرتے، حالانکہ از روئے بلاغت دوسرے افعال کے صلات تضمین کی غرض سے استعمال ہوتے ہیں، چنانچہ اساس البلاغۃ کی طباعت کے بعد بہت سے وہ استعمالات جو پہلے غلط سمجھے جاتے تھے صحیح ہو گئے، اصل میں موجودہ کتب لغت تمام استعمالات عرب اور کل عربی الفاظ پر محیط نہیں ہیں، نہ اُن سے اصول بلاغت کے لحاظ سے استعمالات عرب کی جانب پوری رہنمائی ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہو کہ لغت کے مصنفین کے نزدیک علم بلاغت اور علم نحو نے ان کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے،

ابراہیم یازجی کی لغات الجرائد کے اعتراضات کی اہل علم نے پوری تردید کی ہے، اور کلام عرب کی سند سے مصنف کے اوہام کی قلعی کھولی ہے،

صلات حروف جر، علماء کوفہ کے نزدیک ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں، یعنی ایک حرف جر مثلاً فی جو ظرفیت کے لئے ہے، کبھی علی کے معنی میں آتا ہے، مگر اس کی جتنی مثالیں کلام عرب میں ہیں، کوفی نحویوں کے نزدیک وہ سب سماعی ہیں، اور ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا،

بصری علماء نحو کے نزدیک حروف جر کے اپنے خاص معنی ہیں، ایک حرف دوسرے کی جگہ پر استعمال نہیں ہو سکتا، جہاں اس کے خلاف کوئی مثال ہے، وہاں بھی درحقیقت حرف جر اپنے معنی ہی میں استعمال ہوا ہے، اگر وہ صلہ دوسرے فعل کا ہے، اور فعل مذکور میں دوسرے فعل کے معنی کو شریک (تضمین) کیا گیا ہے،

اس کی مثالیں کثرت سے فصیح کلام میں ملتی ہیں، اس لئے بہت سے علمائے نحو کے نزدیک "تضمین" قیاسی ہے،

تضمین کی متعدد صورتیں ہیں، کبھی فعل متعدی کے مخصوص صلہ (حرف جار) کے بجائے دوسرے فعل متعدی کا صلہ استعمال ہوتا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے فعل متعدی کے معنی فعل مذکور میں شامل کئے گئے ہیں، کبھی فعل متعدی بحرف جار کو بلا حرف جار استعمال کرکے (براہ راست) مفعول لاتے ہیں،

"رفث" استعمال عرب میں کبھی ب حرف جار سے متعدی ہوتا ہے، مثلاً رفثتُ بالمرأة اور کبھی مع کے ساتھ، قرآن میں الیٰ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، کوفی علماء کے نزدیک یہ الیٰ با کے معنی میں ہوگا، مگر دوسرا گروہ کہتا ہے، کہ رفث کے معنی میں افضاء کی تضمین ہوئی ہے جس کا صلہ الیٰ آتا ہے، اس تضمین کے سبب رفث کی صراحت میں افضاء کے کنایہ سے ایک خاص بلاغت پیدا ہوگئی،

اسی طرح لا تأکلوا اموالھم الیٰ اموالکم میں الیٰ سے "ضم" کی تضمین کی گئی، یعنی لا تضموھا آکلین، زبان دان حضرات جانتے ہیں، کہ تضمین کی صورت میں جو معنی ذہن نشین ہوتے ہیں وہ الی بمعنی مع کی شکل میں نہیں ہوتے،

(سفہ) لازم ہے لیکن قرآن کریم نے سفہ نفسہ میں متعدی استعمال کیا ہے، یہ تعدی اھلک کی تضمین کی بناء پر پیدا ہوئی ہے،

کلام عرب میں تضمین کی اتنی کثرت سے مثالیں ہیں، کہ اُن کو سماعی کہنا صحیح نہیں اور قیاسی کہنا ناگزیر ہے، البتہ صلات کے استعمال اور لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے کے لئے بہت سی شرطیں ہیں، سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو اور اس کا مزاج شناس ہو، چنانچہ اکیڈمی نے تضمین پر پوری بحث و تحقیق کے بعد یہ قرارداد منظور کی ہے،

(۱) اکیڈمی کے نزدیک تضمین سماعی نہیں بلکہ قیاسی ہے، بشرطیکہ دونوں فعل میں مناسبت ہو، دوسرے

فعل کے ملحوظ ہونے پر کوئی قرینہ ہو اور اشتباہ کا خطرہ نہ ہو، تضمین ذوقِ عرب کے ہم آہنگ ہو،

۲۔ اکیڈمی کا مشورہ ہے کہ صرف بلیغ اسلوب میں تضمین کی جائے، ورنہ اس سے احتراز اولیٰ ہے، تضمین پر شیخ حسین والی (المتوفی ۱۹۳۶ء) کا ایک مفصل مقالہ ہے، جس کا مطالعہ اہل ادب کے لئے بہت مفید ہے،

اکیڈمی کے پروگرام میں متعدد قسموں کے لغات کی ترتیب و تدوین ہے،

معجم الاصطلاحات، پر مشہور مستشرق پروفیسر فشیر عرصہ سے کام کر رہے تھے، اکیڈمی نے ان کے جمع کردہ مواد کو اپنا لیا ہے، اور پروفیسر موصوف سے درخواست کی، کہ وہ اس لغت کی تدوین میں دوسرے رفقاء کے ساتھ تعاون کریں، پروفیسر فشیر کے ساتھ دو اور مستشرق پروفیسر ہانیسوں (ڈنمارک) اور نلمینو (اٹلی) کو بھی شریک کیا گیا تھا،

زیر تبصرہ رسائل اور رودادیں ۱۹۳۷ء تک کی ہیں معلوم نہیں، ایام جنگ میں کتنا کام ہوا اور اب لغت کی تدوین کا کام کس منزل میں ہے، اہل علم کو عرصہ سے اس کا انتظار ہے،

ان مستشرقین کا ذوقِ علمی قابلِ داد ہے، وہ اجنبی زبان میں ایسے خشک موضوع پر اس انہماک سے کام کرتے ہیں، کہ خود اہلِ زبان ان کے تجربے سے استفادہ کرتے ہیں، لغت کی تدوین میں کئی مستشرقین علمائے عرب کے ساتھ برابر کے شریک ہیں لیکن افسوس کہ کسی ہندوستانی عالمِ لغت کا نام اس میں نہیں نظر آتا، پروفیسر عبدالعزیز صاحب میمنی صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی جیسے لغوی کا نام نہ ہونا حیرت انگیز ہے،

اکیڈمی کی رودادیں اس حیثیت سے نہایت مفید ہیں، کہ ان میں ارکان اکیڈمی کے قلم سے متعدد بلند پایہ مضامین اور لغوی و ادبی بحثیں اور رسالہ میں اکثر ارکان کے محققانہ ادبی مقالات ہیں، شیخ عبدالقادر مغربی کا مقالہ تعریب الاسالیب، عیسیٰ اسکندر معلوف کا "اللھجۃ العربیۃ العامیۃ" اور احمد بک عوامری کا

"بحوث و تحقیقات لغویۃ" خصوصیت کے ساتھ نہایت فاضلانہ مضامین ہیں،

انستاس ماری کرملی کی لغوی تحقیقات بھی قابلِ مطالعہ ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سے مفید مضامین و مقالات ہیں، ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک کا "العاب الصبیان عند العرب" بہت دلچسپ ہے، ادبی اور لغوی نقطہ نگاہ سے عبد اللہ امین کا "بحث فی الطرق التی سلکھا العرب عند اشتقاقھم من اسماء الاعیان" بہت خوب ہے،

استاد کرد علی کا مضمون "افعال للاستعمال" قابلِ مطالعہ ہے، اس مضمون میں ابن القوطیہ کی کتاب الافعال سے اکثر مثالیں دی گئی ہیں، یہ کتاب مطبوع اور متداول ہے، کرد علی کا یہ مشورہ صحیح ہے، کہ عربی زبان کے دورِ انحطاط سے اس وقت تک بہت سے افعال متروک ہو گئے ہیں، حالانکہ ان افعال، اور اُن کے مشتقات سے بہت سی عصری ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں، اس لئے انھیں پھر رائج کرنے کی ضرورت ہے،

بندلی جوزی پروفیسر باکو (کاکیشیا) یونیورسٹی کا مضمون "بعض اصطلاحات یونانیۃ فی اللغۃ العربیۃ" قابلِ مطالعہ ہے، پروفیسر موصوف کے نزدیک عربی زبان میں یونانی الفاظ کی تعداد تقریباً سات سو ہے، عربی زبان میں ان کا داخلہ بہت قدیم ہے، سکندر مقدونی کے زمانہ میں یونانی الفاظ عربی زبان میں آنے لگے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ اسکندر مقدونی کی فتوحات سے قبل بعض عرب قبائل، عراق، شام، فلسطین اور مصر میں آباد تھے، جب ان ممالک کو اسکندر مقدونی نے فتح کیا، تو طبعی طور پر فاتح کی زبان کے بہت سے الفاظ مفتوح قوموں کی زبان میں داخل ہو گئے، مگر اس دور میں بہت تھوڑے یونانی الفاظ عربوں نے قبول کئے، کیونکہ عربوں کی سادہ اور بدویانہ زندگی میں لوازمِ تمدن کی ضرورت نہ تھی، لیکن دوسرے دور میں جب رومیوں نے سنہ ۳۰ قبل مسیح میں مصر کو اور سنہ ۶۳ قبل مسیح میں شام و فلسطین کو فتح کیا تو عربی زبان میں یونانی الفاظ نسبۃً بہت زیادہ داخل ہوئے، حالانکہ رومی اقتدار کے بعد

یونانی الفاظ کا داخلہ حیرت انگیز ہے، اس کی توجیہ پروفیسر موصوف نے یہ کی ہے، کہ مفتوح و مغلوب یونانی، رومیوں سے زیادہ ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ اور فاتح رومی اپنی مفتوح قوم کے فلسفہ اور علوم کے دستِ نگر تھے، اسی لئے یونانی فلسفہ اور یونانی علوم کی تعلیم خود روم میں ہونے لگی، اور رومی یونانی زبان میں تصنیف و تالیف کرنے لگے، اسی لئے عربی میں بھی لاطینی کے بجائے یونانی الفاظ زیادہ داخل ہوئے،

سب سے زیادہ یونانی الفاظ عہدِ عباسی میں جب کہ یونانی فلسفہ اور طب کا عربی میں ترجمہ ہوا، عربی میں داخل ہوئے، مترجمین زیادہ تر سریانی اور کچھ قبطی اور یہود تھے، جو عربی زبان پر پوری قدرت نہیں رکھتے تھے، اور یونانی اصطلاحات عربی میں ترجمہ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے یونانی اصطلاحات بجنسہٖ عربی میں داخل ہو گئیں،

پروفیسر موصوف نے اپنے مضمون میں تقریباً سوا سو عربی الفاظ کی اصل یونانی لکھی ہے، بہت سے الفاظ کو یونانی الاصل ثابت کرنا مشکل ہے اور بعض معمولی صوتی مناسبت کی بنا پر ان کو یونانی کہنا زیادتی ہے، مثلاً

قلم	Kalam-os
قفل	Klausr-on
قمیص	Kpokamis-on
کرخ	Kharak-s
قرطاس	Kharlees-
قارب	Karabei-on
قرنفل،	Koryophil-on

غالباً قرنفل کی اصل سنسکرت میں کرنک پھل ہے، کیونکہ عرب تاجر جزائر الہند سے مسالہ اور عطر وغیرہ اپنے ملک میں لیجاتے تھے،

روئداد اور رسالہ کی آٹھ جلدوں کا تقریباً تین چوتھائی حصہ علوم و فنون سے متعلق الفاظ اور اصطلاحات

پر مشتمل ہے، ان جلدوں میں جو الفاظ اکیڈمی نے وضع کئے ہیں، ان کو ایک مجموعہ (مجموعة المصطلحات العلمية والفنية التی اقرہا المجمع) کی شکل میں شائع کیا ہے،

اس مجموعہ میں علم الاحیاء، طب وتشریح (سرجری)، ریاضی، بجلی (الیکٹرک) مقناطیس طبیعیات (سائنس) نقاشی، مصوری، طباعت، تاریخ، فلسفہ، علم الحرارۃ، اور موسیقی سے متعلق ہزاروں الفاظ ہیں،

یورپ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں علاوہ عام مطالعہ کے کمروں کے ایک بڑا ہال ہوتا ہے جس میں تحقیق کرنے والے طلبہ اور ماہرین فن اساتذہ ملکر مطالعہ کرتے ہیں، اس بڑے ہال میں اس فن سے متعلق تحقیقات ومراجعت کی کتابیں ہوتی ہیں مطالعہ کرنے والے طلبہ اساتذہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ایسے دار المطالعہ کے لئے ایک قدیم لفظ مدراس وضع کیا ہے، یہ لفظ کتب لغت میں موجود ہے، یہودیوں کے مکتب کو مِدراس کہتے تھے، المدرس الموضع الذی یدرس فیہ والمدراس البیت الذی یدرس فیہ القرآن وکذلک مدراس الیہود ہو البیت الذی یدرسون فیہ (لسان العرب مادہ درس) مدرس کے بجائے مدراس اس لئے اختیار کیا کہ مدرس کی جمع مدارس آئے گی، اور مدراس کی مداریس آئے گی، اس سے مدرسہ کی جمع مدارس سے التباس نہیں ہوگا، اس طرح کے چند الفاظ ذیل میں لکھے جاتے ہیں،

المسمع ریڈیو،
المذیاع ریڈیو،
المجهار لاؤڈ اسپیکر
المجاز ٹرام،
المسخن والمحم حمام میں گرم پانی کا حوض
النفاطة گیس کا بڑا ہنڈا،
الكهربة بلب

الثریا بہت سے بلبوں کا مجموعہ (جھاڑ)
البخخة ماچس کی سلائی (تیلی)
الوصلة بجلی کے منفی ومثبت تاروں کو جوڑنے والا،
الموجّة موٹر کا ہینڈل
المظلّة دھوپ سے بچانے والی چھتری
الممطرة برساتی، بھیگنے سے بچانے والا کپڑا،

المهبطة پیراشوٹ ہوائی جہاز سے اترنے کی چھتری،
الفداء چائے یا قہوہ کی چھلنی
المذكّرة نوٹ بک
الاضمامة کتابوں کا پشتارہ، فائلوں کا مجموعہ
الضمام فائل بک
الماصر چنگی کی چوکی
اللفائف (واحد لفیفہ) سگریٹ
النفاضة سگریٹ کی جلی ہوئی راکھ، گل
منفض سگریٹ کے گل رکھنے کی ڈبیہ یا جگہ
ارتکاس ردِّ عمل Reaction
المصرق دستی پریس میں استعمال ہونے والا روغنی کاغذ (Stencil) جو دفتروں میں نقل لکھنے کیلئے کثرت سے استعمال ہوتا ہے، کاغذ کا
الأتون انجن کا آتش دان
الوقّاد کوئلہ جھونکنے والا (فائرمین)
المحالة پہیا،
الجوزع پہیا کا محور، جس میں پہیا گردش کرتا ہے

المكبحة گاڑی کا بریک
العواقة بریک روکنے والا آلہ،
طاسة الاشارات سگنل گھر اسٹیشن کا کیبن،
الملوّح سگنل دینے والا آدمی
التذكرجی ٹکٹ بابو، ٹکٹ بیچنے والا کلرک
النقّاب ٹکٹ چیک کرنے والا کرو،
السبّاق سب سے زیادہ تیز چلنے والی ریل گاڑی گویا طوفان میل،
الجهيز الزفوف ایکسپریس گاڑی
الوقاف پسینجر گاڑی،
قطار البضاعة مال گاڑی
الميدع ڈاکٹروں یا نرسوں کا وہ لمبا لباس جو ہسپتالوں میں کام کے وقت پہنا جاتا ہے نیز خانساموں کا خاص لباس (یونیفارم)
البذلة قدیم استعمال میں ماما یا نوکر کے کام کے وقت والمبذلة کا لباس، اب اس کو گھر کے اندر کام کے وقت عورتوں کے معمولی لباس پر اور حکومت کے ملازمین کے خاص لباس (یونی فارم) پر بولا جانے لگا،

امید ہے کہ ہندوستان کے اہل علم اکیڈمی کے ان تمام مطبوعات سے مستفید ہونگے، اور عربی زبان کی تعلیم میں اس سے فائدہ اٹھائینگے۔

مطبوعات جدیدہ

تشریحات پاکستان مرتبہ جناب مولوی عبد القدوس صاحب ہاشمی تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۲؍ عثمانیہ ہے، کلدار، پتہ نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس سے قطع نظر کہ پاکستان کا تخیل اور اس کا مطالبہ صحیح ہے یا غلط اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اب وہ ہندوستان کی سیاست کا اہم مسئلہ بن گیا ہے، اور اس کے مناسب حل اور اس کے اصلی مقصد و منشا کے حصول ہی پر ہندوستان کی حقیقی آزادی اور اس کے امن و سکون کا انحصار ہے، اس موضوع پر انگریزی مین کافی کتابین ہین، لیکن اردو مین مواد کی بڑی کمی ہے، اس کتاب مین لائق مرتب نے پاکستان کے متعلق ضروری معلومات اور اعتراضات و جوابات سلیقہ سے جمع کر دیئے ہین، اور ۱۸۵۷ء سے لے کر شملہ کانفرنس ۱۹۴۵ء تک ہندوستان کی مختصر سیاسی سرگذشت بیان کرکے اس پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد ۱۹۳۰ء مین ڈاکٹر سر اقبال کے خطبۂ صدارت کا وہ حصہ نقل کیا گیا ہے جس مین پاکستان کی حقیقت بیان کی گئی ہے، اور اس کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد پاکستان کی تائید مین بعض یورپین اور ہندوؤن کے بیانات نقل کئے گئے ہین، اور اس کی تشریح مین مولف نے خود اپنے اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، دنیائے اسلام کے مشہور مفکر امیر شکیب ارسلان اور محب الدین الخطیب مصری کے مضامین اور ان کی رائین نقل کی ہین، اور پاکستان کی مخالفت مین جو سیاسی و اقتصادی مشکلات بیان کی جاتی ہین، اعداد و شمار سے ان کا جواب دیا گیا ہے، کتاب کے آخر مین

مسلمانون کے مرتب کردہ پاکستان کے مختلف نقشون اور ہندوؤن کے فارمولون کو دیدیا گیا ہے، اس طرح اس کتاب مین پاکستان کے متعلق بہت سے ضروری معلومات آگئے ہین، مولانا ابو الاعلیٰ کے مضمون کا تعلق مسلم لیگ کے مجوزہ پاکستان سے نہین، بلکہ جماعت اسلامی کے حکومت الٰہیہ کے تصور سے ہے، اسی طریقہ کر امیر شکیب ارسلان کے مضمون کا مقصد ہندوستان مین ایک مستقل اور جداگانہ قوم کی حیثیت سے مسلمانون کے کلچر کا تحفظ ہے، گو ان دونون مضامین کی بعض جہتین پاکستان سے مل جاتی ہین،

رہنمائے قرآن، از نواب سر نظامت جنگ، مترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۶ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ ادارہ اشاعت اسلام کنج حسین ساگر حیدرآباد دکن،

نواب سر نظامت جنگ حیدرآباد کے صاحب علم امراء مین ہین، دینیات اور کلام مجید پر بھی ان کی نظر ہے، اور دین و ملت کا بھی وہ درد رکھتے ہین، انگریزی کے ... نامور ادیب ہین، انھون نے انگریزی مین ایک کتاب "An Approach to study of The Quran" لکھی تھی، رہنمائے قرآن اسی کا ترجمہ ہے، اس مین مصنف نے قرآن مجید سے اسلامی عقائد و ضابطۂ اخلاق اور اس کی دوسری تعلیمات کو مغربی انداز فکر مین پیش کیا ہے، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے مصنف کے بعض تصورات اور ان کی تشریحات محل نظر ہین، اور ان کا طریقہ تعبیر مناسب نہین ہے، لیکن انھون نے یہ کتاب مغربی اقوام خصوصاً انگریزون کے لئے لکھی ہے، جن کا نقطۂ نظر اور انداز فکر مذہب کے بارہ مین مسلمانون سے مختلف ہے، اور ٹھیٹھ اسلامی تصور اور طریقۂ تعبیر کو ان کا ذوق قبول نہین کر سکتا، اس لئے مصنف نے "کلم الناس علی قدر عقولھم" کے مطابق ان کے ذوق کا خاص لحاظ رکھا ہے، اور اس پہلو سے یہ کتاب جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے بھی مفید ہے، مصنف کا حسن نیت اور ان کا دینی جذبہ لائق قدر ہے اس کا اجر ان کو بہرحال ملے گا، لائق مترجم نے بھی مقدمہ مین تصنیف کے اس پہلو کی جانب اشارہ،

کردیا ہے، اصل کتاب بہت انشا پردازانہ ہے، بلکہ اس کی خاص خوبی انشا پردازی ہے، لائق مترجم نے حتی الامکان اصل کتاب کے زورِ بیان اور اس کی لطافتون کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔

نثرِ ریاض خیرآبادی، مرتبہ جناب عقیل احمد صاحب جعفری تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ/ کلدار، ۱۲/ عثمانیہ، پتہ :- نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

حضرت ریاض مرحوم خیرآبادی نہ صرف ایک استادِ فن شاعر بلکہ اپنے دور کے شگفتہ نگار ادیب بھی تھے، انھون نے مختلف اوقات مین متعدد اخبارات و رسائل اور شعر و سخن کے گلدستے نکالے، جو اس زمانہ مین بہت مقبول ہوئے، اور بڑے بڑے اہلِ نظر ان کے قدردان تھے، لیکن ان کی شاعری کی شہرت نے ان کی نثر نگاری کے پہلو کو دبا دیا تھا، ایک سبب یہ بھی تھا، کہ ان کی شاعری کا زور پیری تک قائم رہا، لیکن نثر کی رنگینی عمر کے انحطاط کے ساتھ ساتھ پھیکی پڑ گئی تھی، اس لئے نئی نسل ان کے کمال کے اس پہلو سے بہت کم واقف ہے، اُن کے نواسہ جناب عقیل احمد صاحب جعفری نے اس کتاب مین ان کی نثر کے مختلف نمونون ادبی مضامین و مباحث، شعری نکات، ریاض کی زندگی سے متعلق خود ان کے تحریر کردہ واقعات اور لطائف و ظرائف، اس زمانہ کے سیاسی و معاشرتی مسائل کے متعلق ان کے تبصرے، مکاتیب اور مختلف النوع نکات وغیرہ کا ایک خوشرنگ گلدستہ سجا دیا ہے، مصنف کی فطری شوخی و ظرافت ان تمام مضامین مین نمایان بلکہ وہی ان کی روح ہے، یہ تحریرین آج سے نصف صدی سے لے کر چوتھائی صدی پیشتر کی ہین، اب زمانہ کا مذاق بہت بدل گیا ہے، اس لئے بعض تحریرین شاید موجودہ مذاق سے مختلف نظر آئین، اور طبائع پر گران گذرین لیکن یہ ان کا نقص نہین، بلکہ زبان و ادب کی ترقی اور مذاق کے تغیر کا فطری نتیجہ ہے، ان تحریرون سے اس زمانہ کے بہت سے دلچسپ واقعات کی جنھین اب زمانہ بھول چکا ہے، یاد تازہ ہو جاتی ہے، لائق مرتب نے اس مجموعہ کو مرتب کرکے اردو ادب و انشاء کی ایک شگفتہ

کڑی کو محفوظ کر دیا، امید ہے کہ یہ مجموعہ عام اصحابِ ذوق خصوصاً حضرت ریاض کے قدردانون مین مقبول ہوگا،

آثارِ اقبال، مرتبہ جناب غلام دستگیر رشید صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۲۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ/ کلدار، للعہ/ عثمانیہ، پتہ :- ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

مؤلف کو اقبالیات سے خاص دلچسپی ہے، اور اس موضوع پر اُن کے قلم سے مضامین بلکہ مستقل کتاب نکل چکی ہے، اب انھون نے سر اقبال مرحوم کے ذاتی حالات اور ان کے کلام و تعلیمات کے متعلق بہت سے اصحابِ قلم کے شائع شدہ مضامین کو آثارِ اقبال کے نام سے جمع کر دیا ہے، بعض مضمون نگارون کے نام یہ ہین، نواب بہادر یار جنگ مرحوم، ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، مولانا محمد علی مرحوم، مولانا اسلم جیراجپوری، پروفیسر محمد حبیب، پروفیسر عبد القادر سروری، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، ڈاکٹر میر ولی الدین اور پروفیسر خواجہ عبد الحکیم وغیرہ، خیال آتا ہے کہ بیشتر مضامین جامعہ ملیہ کے رسالہ جوہر کے اقبال نمبر سے جو جوہر اقبال کے نام سے نکلا تھا، منقول ہین، اس مجموعہ مین اقبال کے ذاتی حالات اور ان کی شاعری سے متعلق بہت سے مفید معلومات یکجا ملجاتے ہین،

اسلام اور مشاہیر عالم، مؤلفہ جناب مولوی حبیب اللہ بن نقیہ صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۱۱۶ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ، مصنف محلہ دھول پیٹھ حیدرآباد سے ملے گی،

ایک مدت تک غیر مسلم قومین خصوصاً اہلِ مغرب کچھ تو ناواقفیت اور زیادہ تر تعصب کی بنا پر اسلام کے متعلق غلط رائے رکھتے تھے، لیکن جب اُن کی آنکھون سے جہالت و تعصب کا پردہ ہٹا، تو انھیں اسلام کی صداقت و حقانیت اُس کے محاسن اور دنیا مین اس کی برکتون کا اعتراف کرنا پڑا، لائق مؤلف نے اس کتاب مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک، کلام مجید اور اسلام کے متعلق

دنیا کی مختلف قومون اور مذہبون کے فضلاء اور مشاہیر کی رائین اور اُن کے اعترافات کو جمع کر دیا ہے، خدا کا دین برحق انسانون کی تحسین و تنقیص سے بے نیاز ہے، اُن کی تحسین و آفرین سے نہ اس کی حقیقی عظمت مین کوئی اضافہ ہوتا ہے، اور نہ ان کی تنقیص سے اس مین کوئی کمی آتی ہے، اس لئے اسلام کے متعلق ان رایون کی کوئی وقعت نہین لیکن الفضل ما شہدت بہ الاعداء کے اصول پر البتہ ان کی کچھ قیمت ہوسکتی ہے، یا جن لوگون کو دوسرون کے اعترافات ہی سے تسکین ہوتی ہے، اس کتاب مین ان کی تشفی کا پورا سامان موجود ہے، فاضل مؤلف کا جذبۂ خدمت دین بہرحال لائق ستایش ہے،

تحلیل نفسی اور تعبیر خواب از جناب عبدالحی جمیل صاحب علوی ایم اے صدر شعبہ نفسیات ٹرینگ کالج کابل تقطیع اوسط ضخامت ۲۴۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ/

پتہ:۔ اشاعت ایجوکیشنل سپلائی کمپنی، عابد روڈ حیدرآباد دکن،

سگمنڈ فرائڈ نفسیات کی شاخ تحلیل نفسی کا بڑا عالم تھا، اس کے نظریہ کے مطابق انسان کے بیشتر جذبات و عواطف کا سرچشمہ خواہش جنسی کی طلب و تکمیل ہے، خواب کو بھی اس نے اسی کا نتیجہ قرار دیا ہے، مصنف نے اس نظریہ کو اس کتاب مین تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، راقم الحروف نفسیات سے بالکل ناواقف ہے، اسلئے فنی حیثیت سے اس کتاب کے متعلق کوئی رائے نہین دے سکتا لیکن خواب کے متعلق اس نظریہ اور مشرقی بلکہ اسلامی نظریہ مین بڑا فرق ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے خواب دیکھنے والے کے حالات اس کی نفسی کیفیت اور خواب کی نوعیت کے اعتبار سے خواب اور اس کے اسباب اچھے اور برے، مادی اور روحانی دونون طرح کے ہوتے ہین، جو خواب مادی اسباب کا نتیجہ ہون، انھین اضغاث احلام کہا جاتا ہے، لیکن رویائے صالحہ کی حیثیت ایک گونہ روحانی کشف کی ہوتی ہے، لیکن فرائڈ پر جنسیات کا اتنا غلبہ تھا کہ اسے ہر چیز مین اسی کا کرشمہ نظر آتا تھا، تاہم جن لوگون کو اس موضوع سے دلچسپی ہو انھین اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے،

(م)

جلد ۵۸ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۶ء عدد ۴

مضامین

مقالات

استفسار و جواب